ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

2 جمادی الثانی 1442ھ | فروری 2021ء

عزم وہمت اور صبر واستقامت کے

91 سال

★ مشکل فیصلے اور گھبرانا بالکل نہیں

★ خلیفہ بلافصل رسول سیدنا ابوبکر صدیق سلام اللہ علیہ

★ سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کی کیفیت وشبہات کا ازالہ

★ حوادث ومصائب

★ ہم اسرائیل سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟

★ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مکتوب نگاری

★ ایک من گھڑت واقعے کی وضاحت

★ کیا اسلام اور احمدیت دو علیحدہ مذہب ہیں؟

مسلمانو! پرچمِ ختمِ نبوت گرنے نہ پائے اور عقیدۂ ختمِ نبوت پر آنچ نہ آئے (امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

احرار 1929

بیاد

شہداءِ تحریکِ مقدس تحفظِ ختمِ نبوت 1953

فداک امی و ابی • لا نبی بعدی

زیرِ سرپرستی

ابن امیرِ شریعت حضرت مولانا پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ بخاری صاحب

امیر مرکزیہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان

مقام: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان نزد MDA چوک

بتاریخ 25 فروری 2021 بروز جمعرات بعد نمازِ مغرب ان شاء اللہ

ان شاء اللہ 16 ویں سالانہ یک روزہ

شہداءِ ختمِ نبوت کانفرنس

بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہو رہی ہے

زیرِ صدارت
حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں

خصوصی خطاب
نواسۂ امیرِ شریعت قائدِ احرار حضرت مولانا سید محمد کفیل شاہ بخاری حسنی حسینی صاحب
نائب امیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان

خصوصی خطاب
مجاہدِ ختمِ نبوت محترم جناب حاجی عبد اللطیف خالد چیمہ صاحب حفظہ اللہ
مرکزی جنرل سیکرٹری مجلس احرارِ اسلام پاکستان

صاحبزادہ فضیلۃ الشیخ شمس القراء قاری سید انوار الحسن شاہ صاحب حفظہ اللہ لاہور

نبیرہ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء المنان شاہ بخاری صاحب
مرکزی رہنما مجلس احرارِ اسلام پاکستان

مبلغِ ختمِ نبوت حضرت مولانا محمد اکمل صاحب
امیر مجلس احرارِ اسلام ملتان

ثناخوانِ مصطفیٰ ﷺ مداحِ سرورِ کونین قومی ایوارڈ یافتہ مداحِ صحابہ و اہلِ بیت حضرت مولانا شاھد عمران عارفی صاحب
چیئرمین بزمِ حسان پاکستان

فضیلۃ الشیخ زینت القراء قاری عبد الرحمن ملتانی صاحب ملتان

حافظ محمد اکرم احرار صاحب

محترم جناب احمد رشید صاحب ملتان

محترم جناب شیخ حسین اختر لدھیانوی صاحب ملتان

برائے رابطہ
061-4511961
0300-6385277

مجلس احرارِ اسلام ملتان

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت

ذکا پرنٹرز دہلی 0300-0333 = 6266071

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

جلد 32 شمارہ 02 فروری 2021ء / جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس اللہ سرہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید عطاء اللہ ثالث بخاری

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ------ 300/- روپے

بیرونِ ملک ------ 5000/- روپے

فی شمارہ ------ 30/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

تشکیل

اداریہ:	مشکل فیصلے اور گھبرانا بالکل نہیں	سید محمد کفیل بخاری	2
دین ودانش:	خلیفۂ بلافصل رسول سیدنا ابوبکر صدیق سلام اللہ علیہ ورضوانہ (پہلی قسط)	مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ	4
//	سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کی کیفیت وشبہات کا ازالہ	عطا محمد جنجوعہ	9
//	فدک کی حقیقت (دوسری قسط)	غلام مصطفیٰ	13
//	حوادث ومصائب	مفتی منیب الرحمٰن	19
//	خواتین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث مبارکہ	انتخاب وترتیب: محمد اُسامہ ڈیروی	25
افکار:	بائیکاٹ	جمشید حامد ملتانی	28
//	ہم اسرائیل سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟	مولانا محمد منصور احمد	29
گوشہ امیر شریعت	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مکتوب نگاری	نور اللہ فارانی	32
	ایک من گھڑت واقعے کی وضاحت	رفیع الدین رفیع چشتی نظامی	42
تاریخ احرار:	تاریخ احرار (دسویں قسط)	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	43
مطالعہ قادیانیت:	کیا اسلام اور احمدیت دو علیحدہ مذہب ہیں؟	شیخ راحیل احمد مرحوم	50
حسن انتقاد:	تبصرۂ کتب	صبیح ہمدانی	52
اخبار الاحرار:	اخبار الاحرار	ادارہ	53
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

شعبۂ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

سید محمد کفیل بخاری	دل کی بات

مشکل فیصلے اور گھبرانا بالکل نہیں

حکمران جماعت پی ٹی آئی اپنے اقتدار کی عمرِ عزیز کے اڑھائی سال گزار چکی ہے۔ اگر چہ اپوزیشن سے روز اوّل سے سلیکٹڈ دھاندلی کی پیداوار، مسلط کردہ اور نااہل حکومت قرار دے کر مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن قرائن وشواہد سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اپنی آئینی مدت پوری کرے گی۔ وزیر اعظم عمران خان کو ایک تو امریکی صدارتی نظام بہت پسند ہے اور دوسرا یہ بھی شکوہ ہے کہ حکومت چلانے کے لیے پانچ سال تھوڑے ہیں۔ گویا موجودہ پارلیمانی نظام اور مدت اقتدار دونوں کو تبدیل کرنے کا عزم وشوق اور خواہش رکھتے ہیں۔ خان صاحب حکومت سنبھالنے کے بعد سے لے کر اب تک تین باتیں بڑی شدومد کے ساتھ کر رہے ہیں۔

1۔ ملکی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں بہت مشکل فیصلے کرنے پڑے ہیں۔

2۔ گھبرانا بالکل نہیں، حالات بہتر ہو جائیں گے۔

3۔ این آر او نہیں دوں گا۔

ملکی معیشت بہتر بنانے کے لیے مشکل فیصلوں کا تعلق تو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی شرائط سے ہے یا غریب عوام سے۔ اس لیے کہ ان کی ظالمانہ شرائط پر قرضوں سے غریب عوام کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہوگئی ہے۔ مہنگائی اور بد دیانتی دونوں عروج پر ہیں۔ آمدن سے زیادہ ٹیکس عائد کر دیے گئے ہیں۔ معیشت بہتر ہوئی نہ عوام کے معاشی مسائل حل ہوئے۔ انہی عالمی مالیاتی اداروں سے ہماری ہر حکومت نے قرضے لیے اور ملک وقوم کو سودی زنجیروں میں جکڑتی رہی۔ خان صاحب نے بھی اقتدار سنبھالنے سے قبل قوم کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے قرضے نہ لینے کا مژدہ سنایا لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد مشکل حالات کا رونا رو کر مشکل فیصلے کیے، قرضے لیے اور ملک وقوم کو مزید قرضوں کی دلدل میں دھنسا دیا۔ نتیجتاً ملکی معیشت بہتر ہونے کی بجائے بد سے بدتر ہوگئی۔ عوام کو نوکریاں ملیں نہ مکان، بلکہ وزیر اعظم نے اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے سارا ملبہ سابق حکمرانوں پر گرا دیا۔ سابق حکمرانوں پر لوٹ مار، کرپشن اور قومی خزانے کی چوری کے الزامات عائد کر کے کرپشن کے مقدمات بنائے گئے لیکن ایک مقدمے کا فیصلہ ہوا نہ کسی چور کو سزا دی گئی۔ حالیہ دنوں میں ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے پاکستان میں کرپشن 20 فیصد بڑھنے کی اپنی رپورٹ جاری کی ہے۔ وزیر اعظم نے پہلے فرمایا کہ رپورٹ خوش آئند ہے، اس لیے کہ یہ سابق حکمرانوں کے دور کی ہے، پھر فرمایا میں نے رپورٹ پڑھی ہی نہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ واقعی کرپشن بڑھی ہے، رشوت میں سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ''انصاف آپ کی دہلیز پر'' کے سلوگن کی بنیاد پر سائل سے رشوت لے کر فائل گھر

پہنچائی جا رہی ہے۔ رہی بات نہ گھبرانے کی تو عوام میں اب گھبرانے کی سکت بھی نہیں رہنے دی۔

ملک خدا کے سہارے چل رہا ہے، حکومت ایجنسیوں کے سہارے چل رہی ہے اور قوم حکمرانوں کے وعدوں، امیدوں اور خوابوں کے سہارے جی رہی ہے۔

وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی فرماتے ہیں کہ: ’’امریکہ و چین کے درمیان صلح کرانے کو تیار ہوں‘‘ اسے کہتے ہیں ’’آ رے بیل مجھے مار‘‘ اپنی حیثیت اور قد سے اونچی باتیں کرنا کون سی دانش مندی ہے۔ امریکہ و چین پر یہ برا وقت بھی آنا تھا کہ ان کے درمیان ہم صلح کرائیں گے۔ پہلے اپنے ناراض دوست ممالک کو تو راضی کر لیں پھر دوسروں کی خبر بھی لے لیں۔

اُدھر اپوزیشن اتحاد ’’پی ڈی ایم‘‘ حکومت کے خلاف اپنی مہم جاری رکھے ہوئے ہے۔ پی ڈی ایم، ایک عارضی مزاحمتی اتحاد ہے نا کہ مستقل انتخابی اتحاد۔ اس لیے اس میں شامل ہر پارٹی اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق سیاسی شطرنج کھیل رہی ہے۔ ماضی میں اپوزیشن اتحاد بنتے ٹوٹتے رہے اور انتخابی اتحاد بھی ایجنڈہ مکمل ہونے پر منتشر ہوتے رہے۔ ڈیک، یو ڈی ایف، پی این اے، ایم آر ڈی، اے آر ڈی، جی ڈی اے اور ایم ایم اے، پاکستان کے سیاسی اتحادوں کی طویل تاریخ ہے۔ ہمیشہ بڑی پارٹی کو حکومت ملتی ہے اور چھوٹی پارٹیاں اکٹھی ہو کر کسی ایک کو اپنا سربراہ بنا لیتی ہیں۔ اس محاذ آرائی کا فائدہ ہمیشہ بڑی پارٹی اٹھاتی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کے ادوارِ حکومت اس کی واضح مثال ہیں۔ اب بھی صورت حال ماضی سے مختلف نہیں۔ بظاہر مولانا فضل الرحمٰن کو پی ڈی ایم کا سربراہ بنایا گیا ہے۔ کچھ اصولوں پر اتفاق بھی کر لیا گیا ہے۔ لیکن مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی پچھلے دروازے سے تانک جھانک کرنے، ہاتھ شات ملانے اور بات وات کرنے سے نہیں چوکتیں۔ عمران خان کے جانے سے حکومت مولانا فضل الرحمٰن کو تو نہیں ملتی۔ لیکن گمان غالب ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن آئندہ انتخابات میں خیبر پختونخوا، اور بلوچستان سے زیادہ نشستیں حاصل کریں گے۔ انہوں نے پارلیمنٹ سے باہر رہ کر اپنی جماعت کو متحرک بھی کر لیا ہے اور منظم بھی۔ یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ سٹریٹ پاور مولانا کے پاس ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ اپنے ملین مارچز اور ریلیوں میں کر چکے اور کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے پاس ووٹ ہے لیکن سٹریٹ پاور نہیں۔ اسی لیے مولانا کو بڑا مان لیا ہے۔ پانامہ، ویزہ، سرے محل، حدیبیہ مِل، براڈ شیٹ اور فارن فنڈنگ کی فائلیں اقتدار کی میوزیکل چیئر کے گرد گھومتی رہیں گی۔ استعفوں کی آوازیں گونجتی رہیں گی۔ عدم اعتماد اور بائیکاٹ کی صدائیں بھی بلند ہوتی رہیں گی، سینٹ کا الیکشن حسب سابق ہوگا، انکار کرنے والے اس میں حصہ بھی لے رہے ہیں۔ ضمنی اور بلدیاتی انتخابات میں بھی حصہ لیں گے۔ پاکستان کی سب سے ’’طاقت ور جماعت‘‘ عمران خان سمیت سب کو ملک و قوم کی خدمت پر مجبور کرتی رہے گی اور بوقت ضرورت این آر او بھی دے دے گی۔ امریکی جمہوریت کا حال تو دنیا نے دیکھ لیا لیکن پاکستانی جمہوریت بڑی ہی نرالی اور البیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

جانشین امیر شریعت، امام اہل سنّت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ پہلی قسط

امیر المؤمنین خلیفۂ بلافصل رسول سیدنا ابوبکر صدیق سلام اللہ علیہ ورضوانہ

آپ کی ولادت باسعادت واقعہ فیل کے دو برس کچھ ماہ بعد ہوئی۔ آپ حضور علیہ السلام سے اڑھائی برس چھوٹے تھے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا، اورسب مال و دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دیا تھا۔ آپ ساتویں پشت پر مُرہ بن کعب پر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ اور تیم بن مُرہ کی وجہ سے بنو تیم کہلاتے ہیں۔

آپ بہ اجماعِ اُمت اسلامیہ سوائے انبیاء کے کل انسانوں میں سے مطلقاً افضل ہیں۔ بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جس شخص پر اسلام پیش کیا ایک دفعہ تو وہ ضرور ہچکچایا، سوائے ابوبکر صدیق کے ان پر میں نے جس وقت اسلام پیش کیا تو آپ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ آپ کی صاحبزادی افضل نساء العالمین حبیبۂ حبیب ربّ العالمین۔ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ ورضوانہٗ علیہا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں بلند رُتبہ صاحب علم وفضل اور فقیہ خاتون تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد باتفاقِ مہاجرین وانصار خلیفۃ الرسول مقرر کیا گیا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی آپ کو اپنی جگہ پر امامت نماز کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا مرتبہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام بتا دیا تھا جب میرے سامنے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو فرمایا کہ اٹھو! اور جا کر لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ اور میں موجود تھا مگر مجھے نہ فرمایا، جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے منتخب کیا تھا، تو ہم نے ان کو اپنی دنیا کے لیے منتخب کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں فصاحت وخطابت کا کمال و معاملات سلجھانے کا ایسا سلیقہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد انصار جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور خلافت کا حقدار اپنے آپ کو سمجھنے لگے تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عرض کیا کہ چلیے انصار کے پاس چلیں۔ میں نے انصار سے بات کرنے کے لیے ایک بہت ہی عمدہ تقریر سوچی تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو پہلے انصار کے خطیب نے تقریر شروع کی اور اپنے فضائل ومناقب بیان کرنے کے بعد انصار کا استحقاق خلافت جتلایا۔ اس کے بعد میں کھڑا ہونے لگا تو حضرت ابوبکر نے مجھے روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے، اور خدا کی قسم! جو کچھ بھی میں نے سوچا تھا وہ سب کچھ تھوڑے وقت مگر فصیح اور جچے تُلے الفاظ میں بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ انصار کے مناقب میں جو کچھ بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا وہ بھی سب کا سب بیان فرما دیا۔ اس کے بعد رئیس انصار حضرت سعد بن عُبادہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے سعد! تم جانتے ہو کہ تم موجود تھے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس امر خلافت کے حقدار قریش ہوں گے۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ بے شک یہ صحیح ہے اور اب تم ہمارے امیر ہو اور ہم تمہارے وزیر ہوں گے۔ پھر مشہور کاتب وحی حضرت زید بن

ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم لوگ حضور علیہ السلام کے انصار تھے اُسی طرح ان کے خلیفہ کے بھی انصار ہوں گے۔ چنانچہ انصار و مہاجر بیعت پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے پہل حضرت بشر بن سعد نے بیعت کی ان کے بعد حضرت فاروق اعظم نے بیعت کی۔ تمام انصار و مہاجرین نے جو اس وقت موجود تھے بیعت کر لی۔ دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی جس میں حضرت عباس، حضرت علی اور حضرت زبیر بھی تھے۔ حضرت زبیر نے اتنا عرض کیا کہ ہمیں شریک مشورہ نہ کرنے کا شکوہ ضرور ہے ورنہ ہم یہ تو یقین کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق ترین شخص ہیں۔ وہ یارِ غار ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی زندگی میں ہی ہمارا امام بنا دیا تھا۔ لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کی اچانک کارروائی کی تفصیل بتائی اور پھر بتایا کہ وہاں مشورہ کی گنجائش ہی کہاں تھی اور معذرت کرتے ہوئے بتایا کہ ’’خدا کی قسم مجھے امارت کا شوق دن رات کے کسی حصے میں نہیں ہوا نہ ہی میں نے اس کے لیے دعا کی۔ لیکن میں امت کے فتنہ سے ڈر گیا۔ یہ خلافت میرے تکلیف کا باعث ہے۔ راحت کا باعث نہیں۔ اور میری طاقت سے زیادہ بوجھ ہے‘‘۔ تو ان کو حقیقت حال معلوم ہوگئی۔

پھر امور خلافت کے مشوروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بہترین مشیر رہے۔ جب مرتدین عرب سے جنگ چھڑ گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ اس جنگ کی وہ خود کمان کریں۔ چنانچہ اسی ارادہ سے آپ مدینہ سے ایک منزل ذی القصہ تک تشریف بھی لے گئے۔ آپ کے اونٹ حضرت علی چلا رہے تھے۔ اور ساتھ ہی روکتے بھی تھے کہ آپ تشریف نہ لے جائیں۔ جب ذی القصہ پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اونٹ بالکل روک لیا اور سختی سے اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو وہ بات کہتا ہوں جو آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز جنگ اُحد فرمائی تھی۔ جبکہ آپ نے جہاد کرنے کی اجازت مانگی تھیہ۔ کہ: ’’اپنی تلوار کو میان میں کرلو اور ہمیں صدمہ نہ پہنچاؤ‘‘۔ تو اے خلیفۂ رسول اللہ؟ اگر ہمیں آپ کی ذات کا صدمہ پہنچ گیا تو پھر اسلام کا نظام کبھی بھی درست نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ قبول کر لیا اور گیارہ لشکر تیار کیے اور ان کے لیے گیارہ امیر مقرر فرمائے۔ ہر امیر کو ایک ایک جھنڈا عنایت فرمایا۔

ان کے اسمائے گرامی تبرّ کاً ملاحظہ ہوں۔ (۱) خالد بن ولید، (۲) عکرمہ بن ابو جہل، (۳) شرحبیل بن حسنہ (۴) خالد بن عاص۔ (۵) عمرو بن عاص۔ (۶) حذیفہ بن محسن (۷) عرفجہ بن ہرثمہ (۸) طریفہ بن حاجز (۹) سوید بن مقرن (۱۰) علا بن الحضرمی (۱۱) مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر ان حضرت کو گیارہ مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا جس سے پورے جزیرۃ العرب پر دوبارہ اسلامی حکومت کی دھاک بیٹھ گئی۔ جو لوگ مرتد ہو گئے تھے وہ یا دوبارہ مسلمان ہو گئے یا مقابلہ میں ختم ہو گئے۔

فقاہت اور اتباع سنت:

فقاہت اور اتباع سنت کا یہ مقام تھا کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اراضئ خیبر سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ’’ان (باغات) کے مفاد اور آمدن جس طرح حضور علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کو ملتی تھیں اسی طرح اب بھی ملتی رہیں گی۔ باقی رہی اس کی تقسیم وتملیک بطور

وراثت......تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ یہ حدیث دوسرے بہت سے صحابہ کرام کے علاوہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (اُصول کافی) اور اگر بطور ورثہ یہ تقسیم کی جاتی تو پھر حضرت عباس اور ازواج مطہرات بھی وارث ہوتیں اور ان کو بھی وراثت ملتی۔ بلکہ بروایت مشہور شیعہ مورخ ملا باقر مجلسی کی نقل کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میری جائیداد حاضر ہے جو چیز پسند ہو منظور فرمالیں۔ آپ اپنے ابا جان کی کل امت کی سردار ہیں اور اپنے صاحبزادوں (حضرت حسن وحسین) کے لیے شجرہ طیبہ ہیں۔ آپ کے بلند شرف وفضل کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔ میرے کل اموال میں آپ کا حکم نافذ ہے۔ مگر مسلمانوں کے مال (صدقات) میں آپ کے ابا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان کے خلاف ہرگز نہیں کرسکتا۔(۱) چنانچہ یہ تفصیل سن کر حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت صدیق اکبر پر راضی ہوگئیں۔(۲)

لیکن چونکہ یہ وراثت نہ تھی اس لیے حضرت صدیق اکبر اس کو تقسیم نہ کرسکتے تھے البتہ خلافت کی طرف سے اراضی کا اہتمام وانصرام حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان تھا۔ پھر خلافت فاروق میں جب خود حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان اسی جائیداد کی تولیت کے معاملے میں اختلاف ہوا اور دونوں حضرات نے آکر حضرت عمر کو درخواست کی کہ زمین تقسیم کرکے اُن کو الگ الگ متولی مقرر کردیا جائے تو حضرت فاروق اعظم نے بھی انکار فرمادیا اور فرمایا کہ یہ ملکیت نہیں جو بطور وراثت تقسیم کی جاسکے۔ چنانچہ اسی سابق معمول کے مطابق وہ دونوں کے پاس رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق حضرت عباس بھی اس سے الگ ہوگئے کہ رد عمل کی وجہ سے انتظام ٹھیک نہ رہ سکتا تھا، تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے۔

اگر یہ وراثت ہوتی تو حضرت علی کو سب کی سب پر قبضہ کرنا درست نہ ہوتا کہ اس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے ورثاء کا حق ضائع ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ وراثت نہ تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے تنہا نگران رہے۔ پھر یہ جائیداد حضرت حسن کے پاس آگئی۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس رہی۔ پھر حضرت زین العابدین بن حضرت حسین کے پاس اور حضرت حسن بن حسن کے پاس آگئی۔ پھر یہ ہمیشہ کے لیے اولاد حضرت علی کے پاس آگئی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے۔ **فَاسْتَمَرَّ فِيْ أَيْدِيْ العلويين** پھر یہ جائیداد ہمیشہ علویوں کے قبضہ وتصرف میں رہی۔(۳)

اس تفصیل سے ان ناسمجھوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہوگیا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) پر ظلم کیا کہ ان کو ان کا حق بطور وراثت تقسیم کرکے نہیں دیا۔ تو جب اس جائیداد کا قبضہ بھی ان کے ہی پاس تھا اور اس کے صنائع اور مفادات بھی حضرات اہلبیت ہی وصول کرتے تھے۔ تو پھر ظلم واقعاتی تو نہ ہوا، مسئلے اور نظریے کا اختلاف ہوا۔ اور وہ مسئلہ ایسا تھا کہ نہ صرف ازواج مطہرات اور حضرت علی اور حضرت عباس کو معلوم تھا بلکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوہریرہ اور دوسرے بے شمار اکابر صحابہ کو معلوم تھا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور اگر ان حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ بنایا جاتا تو وہ

بھی اسی فرمان نبوی پر عمل کرنے پر مجبور تھا۔ چنانچہ حضرت نے اسی طرز کو اپنے عہد خلافت میں قائم رکھا اور حضرت زید بن حسن بن علی بن حسین نے فرمایا کہ اگر اس وقت بجائے صدیق اکبر کے میں ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا (۴)

اور بالفرض اگر یہ ظلم ہی ہوا تو پھر ظلم تنہا حضرت فاطمہ ہی پر تو نہیں ہوا بلکہ ان کے ساتھ حضرت عباس اور بہت سی امہات المومنین پر بھی جن میں خود حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ بھی تھیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

شجاعت اور استقامت:

شجاعت اور ثابت قدمی کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب جنگِ بدر کے دن ہم نے حضور کے لیے عریش یعنی چھپر بنایا تو ہم نے مشورہ کیا کہ کون شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے گا۔ کہ قریش اس طرف کا قصد نہ کر سکیں۔ کیونکہ قریش کی اصلی عداوت تو حضور علیہ السلام سے تھی۔ تو خدا کی قسم! ہم میں سے کوئی شخص بھی سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حضرت صدیق اکبر ہی تھے جو تلوار ہاتھ میں لیے حضور علیہ السلام کے سر مبارک پر کھڑے جان نثارانہ پہرہ دیتے رہے (۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ جب قریش نے خانہ کعبہ میں حضور علیہ السلام پر حملہ کیا تو خدا کی قسم ہم میں سے کوئی بھی آپ کی امداد نہ کر سکا سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ وہ آئے اور قریش کو دھکے دے کر حضور علیہ السلام سے الگ کر دیا۔

حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ السلام خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے حضور کے گلے میں چادر ڈال کر اس کو مروڑنا شروع کر دیا۔ ادھر سے حضرت ابوبکر صدیق آ گئے اور عقبہ کو دھکا دیکر حضور اقدس کے گلے سے اس کی چادر نکال دی (بخاری)

حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ والسلام کی وفات ہوگئی تو عرب کے بہت سے نومسلم قبائل مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے ان سب سے جہاد کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو میں حضرت صدیق اکبر کے پاس گیا اور عرض کی کہ یا خلیفۃ رسول اللہ ان لوگوں کے ساتھ نرمی کریں کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح ہیں۔ نرمی اور دلاسے سے تو قابو آ جائیں گے لیکن سختی کرنے سے اور زیادہ بگڑ نہ جائیں؟ حضرت صدیق اکبر نے ناراض ہو کر غصے سے فرمایا کہ عمر! تم کو کیا ہو گیا مجھے تو اس موقع پر تمہاری امداد و تائید کی ضرورت تھی۔ تم اُلٹا کمزور کن مشورہ دینے آ گئے ہو؟ جب تک تم مسلمان نہیں ہوئے تھے تو بہت سخت تھے۔ اب نرم کیوں ہو گئے ہو؟ خدا کی قسم جب تک تلوار کو میرا ہاتھ اٹھا سکے گا اس وقت تک میں ان مرتدین کے ساتھ جہاد کروں گا اور اگر مدزکوٰۃ میں اُونٹ کی نکیل کی رسی تک ان سے واجب الوصول ہوئی تو ان سے وہ بھی وصول کر کے چھوڑوں گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے حضرت ابوبکر صدیق کی پختگی اور مضبور معلوم ہوئی۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ کر کے چھوڑا (۶)

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندے عُروہ بن مسعود ثقفی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رعب ڈالنے کے

لیے کہا: یہ چند اوباش جو ادھر اُدھر سے آپ کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں، مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل ہی آپ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عُروہ کا یہ کلام گو سب صحابہ نے سُنا تھا۔ مگر فرطِ غضب سے حضرت صدیق اکبر بے تاب ہو گئے اور عروہ کو غصے سے فرمایا جا اور جا کر اپنی معبودہ ''لات'' کی پیشاب گاہ چوس! کیا ہم حضور کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟'' (۷)

کفار عرب میں یہ گالی انتہائی سخت سمجھی جاتی تھی کہ قریش کی معبودہ ''لات'' کو گالی دی گئی۔ یہ تھی حضرت صدیق اکبر کی شجاعت اور دلیری کہ خاص دشمن کا ملک اور مکہ کا دامن۔ اپنی جماعت قلیل مقابل میں قریش کا چوٹی کا نمائندہ ادھر قریش خون کے پیاسے اور جنگ چھیڑنے کے لیے بہانہ کے متلاشی۔ مگر آفرین کہ دینی غیرت کے مقابلہ میں کسی بات کی پرواہ تک نہیں۔

اصابت رائے

اصابت رائے کا یہ حال تھا کہ اسی موقع پر جب حدیبیہ میں صلح ہو گئی تو صلح کی شرائط چونکہ بظاہر مسلمانوں کے حق میں کمزور تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ پسند نہ آئیں۔ اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا! میں نے جو کچھ کیا اللہ تعالی کے حکم سے کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمر کی غیور طبیعت پر بوجھ اور صدمہ تھا۔ اس لیے وہ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں پہنچے اور اپنا صدمہ ظاہر کیا۔ حضرت صدیق اکبر کو معلوم نہ تھا۔ کہ حضور علیہ السلام نے کیا جواب فرمایا ہے۔ مگر انہوں نے بھی بعینہ وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آیت **الیوم اکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا** نازل ہوئی تو سب صحابہ کرام بہت خوش ہوئے کہ الحمد للہ کہ ہمارا دین کامل ہو گیا۔ اور اللہ نے اپنی نعمت ہم پر تمام کر دی۔ مگر حضرت صدیق اکبر رونے لگے اور فرمایا کہ اس آیت سے حضور علیہ السلام کی وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔ مرض وفات میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا یا اللہ تعالیٰ کو پسند کرنے کا اختیار دیا، تو اس بندے نے دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو اختیار کر لیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بے ساختہ رونے لگے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ بعد کو صحابہ کرام نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بندہ سے مراد خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ (۸)

(حواشی)

(۱) حق الیقین ملا مجلسی: ص ۲۳۱، از رسالہ باغ فدک ۵۳ (۲) عجاج السالکین از آفتاب ہدایت: ص ۲۴۳ (۳) صواعق: ص ۳۲، تاریخ ابن کثیر، ج ۵ ص ۲۸۸ (۴) صواعق: ص ۲۱ (۵) صواعق: ص ۳۵ (۶) صواعق: ص ۲۵ (۷) صواعق: ص ۲۶ (۸) متفق علیہ و صواعق: ص ۱۷

(جاری ہے)

عطا محمد جنجوعہ

سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کی کیفیت وشبہات کا ازالہ

اہل سنت کا موقف ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ نے رضا مندی سے سیدنا ابوبکر صدیق کی بیعت کی اور امور حکومت میں مشیر اور وزیر رہے اُن کے باہمی تعلقات رحماءُ بینھم کی تعبیر تھے جبکہ مخالفین اہل سنت کا اصرار ہے کہ واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ ذیل میں ان مخالفین کے چند شبہات ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان شبہات و وساوس کے ساتھ ان کے ازالے کے لیے مختصر مختصر تبصرہ بھی درج کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

شبہ: سیدنا علی المرتضیٰ نے بعض مجبوریوں کے تحت سیدنا ابوبکرؓ سے مصالحت کی ہے نہ کہ بیعت (اثبات الامامت ص 283)

ازالہ: بیعت اطاعت وفرمانبرداری کا نام ہے جبکہ مصالحت دو فریقوں کے مابین چند شرائط پر معاہدہ ہوتا ہے جس طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر چند شرائط پر اتفاق ہوا۔ اگر ان کے بقول سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا علیؓ کے مابین مصالحت ہوئی تو معاہدہ میں کونسی شرائط طے ہوئیں۔ تاریخی حوالہ سے ثابت کریں۔

شبہ: حضرت علی المرتضیٰؓ نے مجبور ہو کر بیعت کی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بچانے کے لیے مجبوری سے ہجرت کی (اثبات الامامت ص 288)

ازالہ: مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبانہ جدوجہد سے مختصر جماعت کی تشکیل عمل میں آئی۔ جبکہ مخاطبین کی اکثریت جہالت وگمراہی کا شکار رہے۔ وہ نہایت ہٹ دھرمی سے پیغام حق کو ٹھکراتے ہے بلکہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کرنے والوں پر انتہائی مظالم ڈھائے۔ اس کے باوجود اس مختصر اور مستقل مزاج استقامت شعار جماعت کے عزم واستقلال میں ذرہ فرق نہ آیا۔ وہ دہکتے کوئلوں، تپتی ریت پر اَحد، اَحد پکارتے رہے۔

چونکہ حج کے مواقع پر مدینہ کے وفد نے اسلام قبول کر لیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ مبلغ مدینہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ چونکہ اسلام کی دعوت عالم گیر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہل مکہ کے لیے نہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے جبکہ اہل مکہ نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور اہل مدینہ نے اسلام قبول کرنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو اسلام کی نشرواشاعت کے لیے مدینہ کو موزوں سمجھا۔ جب مشرکین مکہ نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے سیدنا ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی راہ اختیار کی۔ غار ثور میں تین دن روپوش تو رہے، لیکن غائب نہ ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر کسی کے گھر میں گوشہ نشین نہ ہوئے بلکہ واشگاف انداز میں حق کی تبلیغ جاری رکھی۔ آپ کے بقول حضرت علیؓ گوشہ نشین ہوگئے مجبوراً بیعت یا مصالحت کر لی۔ یہ عجیب بات ہے۔

قریش مکہ نے تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی ریاست کا سربراہ، کسی بڑے گھرانہ میں شادی اور مال وزر پیشکش کی سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر دعوت اسلام جاری رکھی۔ قریش مکہ نے دھمکی دی تو آپؐ نے شان حمیت ربانی سے لبریز ہو کر فرمایا اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک

ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی دعوت کے فریضہ سے باز نہ آؤں گا۔ جبکہ حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر امامت منصوص من اللہ کا اظہار نہیں کیا؟ یہ سیدنا علیؓ المرتضیٰ کی شان اور مرتبہ کے منافی ہے۔

شبہ: سیدنا علی المرتضیٰ بیعتِ ابوبکر سے اعراض کر کے خانہ بدوش ہو گئے۔ (معاذ اللہ) اُن کے گلے میں کپڑا ڈال کر باہر نکالا گیا اور ابوبکر کے پاس لائے گئے اگر بیعت کی بھی گئی تو اجباری تھی۔ (ص282)

ازالہ: عرب قوم کی تاریخی روایت ہے کہ اگر کسی فرد کے ساتھ بدسلوکی یا ظلم و زیادتی ہوتی تو اس کا خاندان ضرور بدلہ لیتا۔ ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی، آپؐ کے چچا سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، وہ اس وقت حالت کفر میں ہونے کے باوجود غصہ میں آ گئے فوراً جا کر ابوجہل سے انتقام لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر اسلام قبول کر لیا۔ امت محمدیہ میں سیدنا ابوبکرؓ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے حرم کعبہ میں حاضرین کو اسلام کی دعوت دی تو عقبہ بن ربیعہ نے ساتھیوں سمیت آپؓ کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ آپ کے خاندان بنو تمیم کے لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ مشرکین بھاگ گئے، انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر ابوبکرؓ کی وفات ہو گئی تو ہم عقبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کریں گے۔

مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے میٹنگ منعقد کی۔ ابوجہل کی رائے پر سب نے ہامی بھر لی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نمائندہ چن لیا جائے۔ اس طرح قتل کرنے کی ذمہ داری سارے قبائل پر عائد ہو گئی اور بنو ہاشم اکیلے سارے قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس رائے پر عمل کرتے ہوئے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کیا گیا قابل غور پہلو ہے۔

آپ کے بقول اگر حضرت عمر فاروقؓ نے مکان جلانے کی دھمکی دی اور سیدنا علیؓ کو نازیبا انداز میں مسجد لا کر زبردستی بیعت لی گئی، خاندان بنو ہاشم نے اس ذلت آمیز سلوک کا بدلہ کیوں نہ لیا؟ اور نہ ہی احتجاج کیا؟ جبکہ حضرت علیؓ کے بھائی، چچا زاد برادران اور چچا عباسؓ بن عبدالمطلب بھی حیات تھے۔ بزدلی کی چادر اوڑھنے والی خیالی شخصیت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اہل سنت کا علیؓ تو اسد اللہ حیدر کرار ہے۔ جنہوں نے غزوات میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور قلعہ خیبر فتح کیا۔

شبہ: حضرت علیؓ نے نبی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے صبر و تحمل کیا اور انتقامی اقدام نہ کیا۔ (ص293)

ازالہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سمیت صحابہ کرامؓ کو مصیبت و پریشانی کے وقت صبر و تحمل کی تلقین کی ہے لیکن منکرات کو ہاتھ سے روکنے والوں کو کامل مومن قرار دیا ہے۔ اگر صبر کی وصیت تھی تو سیدنا علی المرتضیٰ نے جمل و صفین اور نہروان میں تلوار کیوں اٹھائی یہاں صبر سے کام کیوں نہ لیا؟

شبہ: یہ صبر کی وصیت اس امر کے ساتھ مشروط تھی کہ جب تک لوگ آپ کی خود بخود بیعت نہ کر لیں اور مخلص ساتھی نہ مل جائیں۔ جب اعوان و انصار مل جائیں تو اُن سے جہاد کرنا۔

شہادت عثمان کے بعد اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں بخوشی رضا و رغبت سے سیدنا علیؓ کی بیعت کر لی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے مدینہ میں خون ریزی سے بچنے کے لیے کوفہ کو دارالخلافہ بنا لیا جہاں اُن کو جو اعوان و انصار میسر آئے اُن کے بارے حضرت علیؓ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

☆......شیخ سید شریف رضی (م ۴۰۴ھ) نے نقل کیا ہے کہ:

”وَمِنْ خُطْبَةٍ لَہ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اِسْتِنْفَارِ النَّاسِ اِلٰی اَهْلِ الشَّامِ اُفٍ لَكُمْ لَقَدْ سَئِمْتُ عِتَابَكُمْ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ عِوَضًا وَبِالذُّلِّ مِنَ الْعِزِّ خَلَفًا اِذَا دَعَوْتُكُمْ اِلٰی جِهَادِ عَدُوِّكُمْ

دَارَتْ اَعْيُنُكُمْ كَاَنَّكُمْ مِنَ الْمَوتِ فِي غَمْرَةٍ وَمِنَ الذُّهُولِ فِي سَكْرَةٍ يُرْتَجُ عَلَيْكُمْ حِوَارِيْ فَتَعْمَهُوْنَ فَكَاَنَّ قُلُوْبَكُمْ مَأْلُوْسَةٌ فَاَنْتُمْ لَا تَعْقِلُوْنَ .مَااَنْتُمْ لِي بِثِقَةٍ سَجِيْسِ اللَّيَالِيْ"

(نہج البلاغہ عربی: جز اول ۵۳/خطبہ نمبر ۳۴)

''حضرت علیؓ نے لوگوں کو اہل شام سے آمادہ جنگ کرنے کے لیے فرمایا!

حیف ہے تم پر، میں تمہیں ملامت کرتے کرتے بھی اکتا گیا ہوں، کیا تمہیں آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اور عزت کے بدلے ذلت ہی گوارا ہے؟ جب تمہیں دشمنوں سے لڑنے کیلئے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگ جاتی ہیں کہ گویا تم موت کے گرداب میں ہو اور جان کنی کی غفلت اور مدہوشی تم پر طاری ہے میری باتیں جیسے تمہاری سمجھ ہی میں نہیں آتیں تو تم ششدر رہ جاتے ہو، معلوم ہوتا ہے جیسے تمہارے دل و دماغ پر دیوانگی کا اثر ہے کہ تم کچھ عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے اپنا اعتماد کھو چکے ہو''

(نہج البلاغہ مترجم اردو: ۱۷۲/۱۷۳،۱، خطبہ نمبر ۳۴، از مفتی جعفر حسین، مطبوعہ لاہور)

اہل مدینہ نے سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے وفا کا حق ادا کیا جبکہ اہل کوفہ ساتھ دینے کی بجائے بہانے تراشتے رہے۔ قابل غور پہلو ہے اگر مخبر صادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا علیؓ کو وصیت ہوتی تو یقیناً آپ کے انصار و اعوان جاں نثار ہوتے اور وہ کھوٹے سکے بن کر اپنا اعتماد نہ کھوتے۔

شبہ: مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا وہ رسول کا سایہ اُٹھ جانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس خطرہ کے پیش نظر کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ (اثبات الامامت ص 288)

ازالہ: اہل مدینہ کے بارے میں یہ بدگمانی قطعاً بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو عرب قبائل اوس وخزرج اور یہود نے میثاق مدینہ میں باہمی تنازعات کے فیصلے کے لیے آپ کو ثالث تسلیم کرلیا۔ عبداللہ بن ابی کو اس پر دھچکا لگا۔ اس کے دل میں مدینہ کا سردار بننے کا خواب تھا۔ چنانچہ اُس نے خفیہ سرگرمیوں سے نو مسلموں کو ورغلایا اور مسلمانوں کے بارے شکوک وشبہات پیدا کیے اور مسلمانوں میں نفرت کی خلیج پیدا کرنے کی سازش کی۔ بلاشبہ وہ غزوہ احد میں بہانہ تراش کر ساتھ چھوڑ گئے اور مدینہ واپس آگئے لیکن قریش مکہ کا ساتھ نہ دیا۔ کسی موقع پر ان منافقین کی مسلمانوں کے ساتھ جھڑپ نہیں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی کی موت اور غزوہ احزاب کے بعد مدینہ سے یہودیوں کی بے دخلی کے بعد منافقوں کی کمر ٹوٹ گئی۔

اہل مدینہ رسول کا سایہ اُٹھ جانے کے منتظر نہ تھے بلکہ افسردہ اور غم سے نڈھال تھے۔ تاریخی حقیقت ہے کہ مدینہ کے کسی فرد نے بغاوت کی اور نہ ہی بیرونی باغی قوتوں کا ساتھ دیا۔ اہل مدینہ نے خلیفۃ الرسول کے حکم پر لشکر اُسامہ میں شرکت کی اور مدینہ کے دفاع میں بھرپور کردار ادا کیا۔ انھوں نے اطرافِ مدینہ میں مرتدین، منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کے خلاف جنگوں میں شرکت کی اور دلیری سے مقابلہ کیا۔ صرف مسلمہ کذاب کے خلاف لڑائی میں 360 مہاجر، 300 انصار اور 600 سابقون الأولون شہید ہوئے۔ آپ کے بقول مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا تو لشکر اسامہ اور مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر بھیجنے کے بعد منافقین کے لیے شورش فتنہ فساد برپا کرنے کا سنہری موقع تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس دوران اہل مدینہ کی طرف سے کسی قسم کی داخلی شورش کا فتنہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔ اس بنا پر فریق ثانی کا یہ کہنا ہے

کہ مدینہ میں فتنہ فساد کے خطرہ کے پیشِ نظر سیدنا علیؓ نے حق کا اظہار نہیں کیا سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔

امام حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر فتنہ ارتداد پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جیش اسامہ کو بھیجا تو حضرت ابوبکر صدیق کے پاس (مرکز مدینہ میں) فوج کم ہوگئی۔ (اس کی اطلاع پا کر) بہت سے مرتد اعراب نے مدینہ کا لالچ کیا اور اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے راستوں پر محافظ مقرر کر دیئے جو مدینہ کے اردگرد فوجوں پر شب خون مارتے اور حفاظت کرتے۔ ان محافظوں کے امراء میں علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے‘‘ تاریخ ابن کثیر جلد 6 ص 414

سید شریف (م 404) نے بھی عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف جہاد میں سیدنا علیؓ کی شمولیت کا ذکر کیا ہے۔

وَمِنْ كِتَابٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ......

رَأَيْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ يَدْعُوْنَ اِلٰى مُحقِّ دِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ فَخَشِيْتُ اِنْ لَّمْ أَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ أَنْ أَرٰى فِيْهِ ثَلْمًا أَوْهَدْمًا تَكُوْنُ الْمُصِيْبَةُ بِهٖ عَلَيَّ اَعْظَم مِنْ مَوْتِ وِلَا يَتِكُمُ الَّتِيْ اِنَّمَا هِيَ مَتَاعُ أَيَّامٍ قَلَائِلَ يَزُوْلُ مِنْهَا مَاكَانَ كَمَا يَزُوْلُ السَّرَابُ أَوْكَمَا يَتَقَشَّعُ السَّحَابُ فَنَهَضْتُ فِيْ تِلْكَ الْاَحْدَاثِ حَتّٰى زَاحَ الْبَاطِلُ وَزَهَقَ. وَاطْمَأَنَّ الدِّيْنُ وَتَنَهْنَهَ.

(نہج البلاغہ عربی: الجزء الثالث ۳۲۷ باب المختار من کتب امیر المومنین ورسائلہ)

حضرت علی المرتضیٰ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ مرتد ہونے والے اسلام سے مرتد ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مٹا ڈالنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اب میں ڈرا کہ اگر کوئی رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوئے میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لیے اس سے بڑھ کر مصیبت ہوگی جتنی یہ مصیبت کہ تمہاری یہ حکومت میرے ہاتھ سے چلی جائے جو تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے۔ اس میں دنیا کی ہر چیز زائل ہو جائے گی۔ اس طرح جیسے سراب بے حقیقت ثابت ہوتا ہے یا جس طرح بدلی چھٹ جاتی ہے۔ چنانچہ میں ان بدعتوں کے ہجوم میں (جو خلافت صدیقی میں بصورت ارتداد اٹھے) اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ باطل دب کر فنا ہوگیا۔ اور دین محفوظ ہو کر تباہی سے بچ گیا۔ (نہج البلاغہ مترجم اردو: ۸۰۷۔۸۱۷ مکتوب نمبر ۶۲ از مفتی جعفر حسین)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جیش اسامہ روانہ کیا۔ اس دوران مرتد قبائل بنی عبس اور بنی قیس (منکرین زکوٰۃ) کے حملہ کے خطرہ سے بچاؤ کے لیے مدینہ منورہ کے راستوں پر محافظ مقرر کئے جن میں ایک دستہ کے سالار سیدنا علی المرتضیٰؓ بھی تھے۔ نہج البلاغہ میں سید شریف رضی کے بقول آپ فتنوں کے دور میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور باطل کو دفنا کر دم لیا۔ چونکہ فریق ثانی کے نزدیک زکوٰۃ کی طرح ریاست وامامت بھی اصول دین ہے، قابل غور پہلو ہے کہ سیدنا علیؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد میں حصہ لیا لیکن امامت کا اصول مٹنے پر نہیں کیوں؟

چنانچہ ان حقائق کی روشنی سے صاف ظاہر ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ چھ ماہ تک گھر میں گوشہ نشین نہ رہے بلکہ انہوں نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فوراً بیعت کر لی اور فتنوں کے سدِ باب کے لیے جہاد میں حصہ لیا دیگر امور حکومت میں وہ مشیر ووزیر رہے۔ بلاشبہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رحمآء بینھم کی بہترین تفسیر تھے۔

غلام مصطفیٰ دوسری قسط

فدک کی حقیقت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی حقیقت:

بعض رافضی الطبع لوگوں کا کہنا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا باغِ فدک سے محرومی کی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں۔ اب واقعہ یہ ہے کہ ناراضگی کی یہ کہانی کسی کتاب میں ان الفاظ میں نہیں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا ہو کہ میرا حق غصب ہوا، لہٰذا میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوں کیونکہ اُنہوں نے مجھ پر زیادتی کی چنانچہ میں ان سے کبھی بات نہیں کروں گی۔

کچھ روایات میں اس طرح آیا ہے کہ:

فغضبت فاطمةؓ فهجر ته (ابابكر) فلم تكلمه

ترجمہ: سیدہ فاطمہؓ غصہ ہوگئیں اور ابوبکرؓ سے گفتگو ترک کردی۔ (السنن الکبریٰ، جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 300)

پہلی بات تو ہمیشہ سند کی بنیاد پر ہوگی۔ مطالبہ میراث کی روایت کل ۳۶ مختلف اسناد سے روایت ہوئی ہے۔ لیکن ان میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناگواری وغضب یا ترکِ کلام وغیرہ کی بات صرف ان اسناد میں موجود ہے جن من محمد ابن مسلم المعروف با بن شہاب زہری موجود ہیں۔ ان محمد ابن مسلم کا تشیع یا میلان الی التشیع معروف و مشہور ہے۔ پس سند کی بنیاد پر تو ہمیں فریقِ مخالف کے دعوے کے ثبوت پر ہی اشکال ہے۔

لیکن بالفرض والمحال اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غصہ ہونا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ کے لیے مضر نہیں۔ کیونکہ غضب اور اغضاب میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغضاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے کے۔ ان روایات کو من وعن تسلیم کر بھی لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ نے ناگواری محسوس کی، یہ بات پھر بھی ثابت نہیں ہوتی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا ہو، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے تو ارشاد نبویؐ یعنی اُن کے ابا جان کے ارشاد کی تعمیل کی۔

پھر ان الفاظ کو اگر دیکھا جائے جو اس باب میں مروی ہیں، تو وہ مختلف ہیں۔ بعض روایات میں **فغضبت فاطمة رضی الله عنها** آیا ہے اور بعض روایات میں **فوجدت فاطمة** آیا ہے۔ (مثلاً: بخاری جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 609) لفظ **وجدت** جس طرح غصہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح حزن وملال کے معنی میں بھی آتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب مطالبہ میراث کیا تو اُس کے جواب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ارشاد نبویؐ سُنایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک گونہ ندامت اور رنج ہو کہ میں نے لاعلمی میں کیوں میراث کا مطالبہ کیا۔ پھر اس کے فوراً بعد سیدہ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنی وفات تک پھر سیدہ نے صدیق اکبر سے میراث کا مطالبہ نہ کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی دفعہ ناراض ہوئیں:

اگر کوئی صاحب زیادہ ہی مُصر ہوں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئی تھیں۔ تو ہم عرض کریں گے ایک مقدس ومحترم ہستی کا کسی دوسری محترم ومقدس ہستی سے ناراض ہوجانا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ لازمی طور پر دوسری ہستی غلط کار وقصوروار ہی ہے۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی دفعہ ناراض ہوئیں۔ اس لیے اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ناراض ہونے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موردالزام ٹھہرتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ روایات میں ایسے کئی واقعات منقول ہیں جن میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئی تھیں۔ ذیل میں ایسی چند روایات لکھی جاتی ہیں جو فریقِ مخالف کی کتابوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

(۱) اس سلسلہ میں مُلّا باقر مجلسی ایرانی نے لکھا ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ نہایت غم ناک ہے، نماز سے فارغ ہو کر آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر کے دروازہ کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرماتے جارہے تھے ''قُم یا ابا تراب'' اے ابوتراب (مٹی پر لیٹنے والے) اُٹھیے۔ پھر یہ دونوں حضرات (یعنی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کے گھر میں داخل ہوگئے۔ ہم کچھ دیر دروازہ پر کھڑے رہے۔ کچھ دیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پُرمسرت چہرہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لائے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خوشی کی وجہ دریافت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں کیوں نہ خوش ہوں جبکہ میں نے ایسے دو افراد کے درمیان صُلح کرادی ہے جو آسمان والوں کے ہاں زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ (بحارالانوار جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 43 مُلا باقر مجلسی)

(۲) فدک کے باغ سے فصل ملنا اور محض ملکیت بطور میراث نہ ملنا اگر سیدہ کے لیے ناگواری اور غصے کا سبب تھا تو کہیں زیادہ تکلیف دہ بات آپ کے لیے وہ ہے جس سے آپ نہایت غم زدہ اور رنجیدہ ہوئیں، کہ جب بعض روایات کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے دوسرا نکاح کرنا چاہا۔ اس بات سے نہ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رنجیدہ ہوئیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگواری ہوئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے اس کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام نے اس بات کو محسوس کیا کہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے خطبہ کے طور پر ارشاد فرمایا:

ان علیاً رضی اللہ عنہ یرید ان یتزوج ابنۃ عدو اللہ علی ابنۃ نبی اللہ، و ان فاطمۃؓ بضعۃ منی فمن آذاھا فقد آذانی و من سرَّھا فقد سرَّنی و من غاظھا فقد غاظنی۔

ترجمہ: علیؓ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے ہوتے ہوئے اللہ کے دشمن ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرے۔ بے شک فاطمہؓ میرا ٹکڑا ہے جس نے اُسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔ اور جس نے اسے

خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

(بطور حوالہ ملاحظہ ہوں: امالی شیخ صدوق شیعی صفحہ نمبر 64 / جلاء العیون جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 227 مُلا باقر مجلسی / انوار النعمانیہ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 73 نعمت اللہ جزائری شیعی / ناسخ التواریخ / زندگانی فاطمہ صفحہ نمبر 206ء شیعہ / علل الشرائع باب 185,148 / بخاری شریف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 528، جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 185)

(۳) اس سلسلہ میں بعض روایات میں مذکور ایک اور واقعہ بھی توجہ طلب ہے۔ اس واقعہ میں نہ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ناراض ہونا مذکور ہوتا ہے بلکہ غضبناک ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑنا اور اس کو جھنجھوڑنا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ یہ روایت دیکھنے میں جتنی بھی افسانہ نما اور داستانی محسوس ہو، یاد رکھیں کہ اس روایت کو عام طور پر شیعی راویوں نے نقل کیا ہے۔ معروف شیعی عالم شیخ صدوق نے نقل کیا ہے کہ:

’’حدیث میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک روز سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بُلایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کو فروخت کردو۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اُس باغ کو 12 ہزار درہم میں فروخت کردیا۔ جب یہ رقم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ تو ساتھ ہی ایک اعرابی نے آکر سوال کردیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس رقم سے چار ہزار چالیس درہم اس اعرابی کو دے دیئے۔ یہ خبر مدینہ میں پھیل گئی۔ ایک انصاری سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت حاضر ہوا اور آپ کو یہ واقعہ بتایا۔ بقایا بھی وہیں بیٹھے بیٹھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں تقسیم کردی۔ یہاں تک کہ ایک درھم بھی باقی نہ بچا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے میرے باپ کے باغ کو فروخت کردیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ سیدہ فاطمہؓ نے پوچھا کہ رقم کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے راستہ میں تقسیم کردی۔ سیدہ فاطمہ نے فرمایا میں بھوکی ہوں، میرے بچے بھوکے ہیں اور آپ بھی ہماری طرح بھوکے ہیں اور ہمارے پاس ایک درہم نہیں، یہ کہہ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑ لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! فاطمہؓ مجھے چھوڑ دے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا نے جواب دیا، بخدا! میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گی یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان میرے ابا فیصلہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا تھا کہ جبرائیل نازل ہوئے اور کہا ’’اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور علی رضی اللہ عنہ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے:

قل لفا طمة ليس لک ان تضربی علی یدیه و تلزمی بثوبه

ترجمہ: (اے محمدؐ) فاطمہؓ کو کہہ دیجیے کہ تیرے لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ تو علیؓ کے ہاتھوں پر مارے اور اُس کے دامن کو نہ چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور دیکھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کو اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچایا جو جبرائیل لے کر آئے تھے۔ یہ پیغام سُن کر سیدہ فاطمہؓ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن چھوڑ دیا اور معافی کی خواستگار ہوئیں‘‘۔ (امالی شیخ صدوق، صفحہ نمبر 281 / انوار النعمانیہ، جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 58 نعمت اللہ / جلاء العیون

جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 194 مُلّا باقر مجلسی)

اس طرح کے کئی واقعات شیعہ حضرات کی کتابوں میں درج ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں۔ تو کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ حضرات وہ باتیں کریں گے اور معاذ اللہ ان بے ادبیوں کا نشانہ بنائیں گے جن کا مستحق وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ٹھہراتے ہیں؟

بلکہ ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ روایات میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات جو راویوں کے بقول حضرت رسولِ خدا علیہ الصلاۃ والسلام نے انتہائی ناگواری اور رنجیدہ خاطری کے ساتھ حضرت رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے کہ: **فاطمة بضعة منی من آذا هافقد آذانی** (فاطمہؓ میرے دل کا ٹکڑا ہے جس نے اُسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی)۔

ان کلمات کو دشمنانِ صحابہ اور ان کے پروپیگنڈے سے متأثر جاہل لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیسے ناراض ہوسکتی تھیں، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں لانے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تو تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اُن کے لیے بمنزلہ بیٹی کے تھیں۔ بیوی شوہر میں تو معاملاتِ دنیا کی بنیاد پر ناراض ہونا ممکن ہے لیکن بیٹیاں اپنے والد سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتیں۔

پھر ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کے غصہ و غضبناک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا کو جو جواب دیا وہ دھونس دھاندلی کی بنیاد پر نہیں بلکہ نہایت معقول اور دلائل پر مبنی تھا۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا خلاصہ یہ تھا کہ:

(1) کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے حسب سابق اخراجات زندگی لیتی رہے گی۔ **انما یأکل آل محمد من هذا المال.**

(2) میں اس مال کے خرچ کرنے میں وہی کچھ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، **لأعملن فیها بها عمل فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم**

(3) اس موقع پر ایک اور بات ارشاد ہوئی۔ جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلی کیفیتوں کو خوبصورتی سے ظاہر کرتی ہے۔ آپ نے حلفاً فرمایا: اے بنتِ رسول اللہ! اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت اور رشتہ داری سے زیادہ عزیز ہے۔

والله لقرابة رسول الله صلی الله علیه وسلم أحبُّ إلیَّ من قرابتی (بخاری جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 526)

سوال یہ کہ یہ تین باتیں جو خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہیں، ان میں سے کس بات سے سیدہ ناراض ہوسکتی تھیں؟ کیا اس بات سے کہ جو مال آپ کے ہاں رسول خدا علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں آیا کرتا تھا وہ بدستور آتا رہے گا؟ یا اس بات سے کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

طرزِ عمل کو اپناؤں گا اور آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا؟ یا اس بات سے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں پر ترجیح دوں گا اور اس پر قسم کھاتا ہوں؟۔

ان باتوں میں کوئی ایک نکتہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوسکتی ہوں۔ پس روایات قابلِ تردید واعتراض ہیں۔ کوئی شخص مگر پھر بھی روایات کی لفظ پرستی پر ڈٹا رہے تو ہم کہیں گے ان روایات میں مذکور سیدہ فاطمہ کی قلبی کیفیت کو غضب کے بجائے ندامت پر محمول کرنا سیاق وسباقِ کلام کے زیادہ مناسب ہے۔ اور یہی جواب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی عائشہ صدیقہؓ اور دیگر امہات المومنین کو بھی دیا تھا۔ جب اُنہوں نے اپنے حصہ وراثت کا مطالبہ کیا۔ اس وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے سوال سے نادم ہوئیں کہ مجھے سیدنا ابوبکر صدیق سے ایسا سوال نہیں کرنا چاہیے تھا، کہ میں نے وراثت کے عمومی مسئلہ کے تحت حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے بارے میں پوچھا اور سیدنا ابوبکر کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وراثت کے اس عمومی مسئلہ سے خارج ہیں، کاش میں یہ سوال نہ کرتی تا کہ میری حالتِ فقر وحاجت کسی کے سامنے ظاہر نہ ہوتی۔ اور پھر سوال بھی ابو بکر جیسے جان نثار وفدا کارِ رسول سے، جن کی وفا وعقیدت کی گواہی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے آخر روز تک دیتے رہے۔ یہ سوال کرنا تو ان کو بھی شرمندہ کرنے کے مترادف ہوا، کیونکہ وہ تو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی طرح شفیق وکریم ہیں جس طرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اس کی آمدنی کو اُنہی مدات میں خرچ کریں گے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کو نبھایا۔ آپ کا ارشاد معاذ اللہ کوئی سیاسی وعدہ نہ تھا، روایات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اموال فئے جن میں باغ فدک بھی تھا، حضرت ابوبکر نے اُن کا انتظام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر آپ کو اس کا متولی بنایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ انتظام و تولیت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اُن کے بعد سیدنا حُسین رضی اللہ عنہ پھر سیدنا علی بن حُسین یعنی امام زین العابدین اور حسن بن حسن پھر زید بن حسن رحمہم اللہ ورضی عنہم تک منتقل ہوتی رہی۔

(بخاری شریف جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 576 / السنن الکبریٰ جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 299 / ابن ابی حدید جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 118)

چنانچہ اس سلوک کی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی خوش رہیں اور بعد میں اُن کی اولاد بھی خوش رہی۔ فدک کی آمدنی خرچ کا انتظام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا اُن کے بعد ان کی اولاد کے سپرد رہا۔ اس بات پر اہل سنت اور شیعہ روایات متفق ہیں۔ ایک دفعہ محمد باقر بن علی زین العابدین بن سیدنا حسین رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا: **أرأیت ابابکرؓ وعمرؓ هل ظلما کم حقکم شیئاً** (کیا آپ کی رائے میں کہ ابوبکر وعمر نے آپ کے حق میں کسی قسم کی کوئی زیادتی یا ظلم کیا)

آپ نے جواب میں فرمایا: **لا والذی انزل القرآن علی عبده لیکون للعالمین نذیرا ماظلمنا من حقنا مثقال حبة من خردل** (بالکل نہیں، قسم ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر قرآن حکیم کو اُتارا، ہمارے حق میں رائی کے برابر بھی ظلم نہیں ہوا۔)

پوچھنے والے نے پھر پوچھا کہ میں ان سے دوستی رکھوں؟

آپ نے جواب میں فرمایا ''ہاں'' پھر فرمایا! تو اُن دونوں کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں محبت رکھ اور اگر کوئی وبال پیش آئے تو میری گردن پر ہوگا۔

(ابن ابی حدید، جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 113 / وفاء الوفا، صفحہ نمبر 100 فضائل ابوبکر صفحہ نمبر 5)

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض حضرات نے باغ فدک اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے کے لیے کہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بڑا خوبصورت اور عمدہ جواب دیا:

انی لا ستحیی من اللہ ان أرُدَّ شیئاً منع منه ابوبکر و أمضاه عمر

مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اُس شے کو لوٹا دوں جس کو ابوبکرؓ نے منع کیا اور اور عمرؓ نے اُن کے حکم کو جاری رکھا۔ (بحوالہ ابن ابی حدید شیعہ جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 130)

اسی وجہ سے سیدنا زین العابدین کے صاحبزادے اور سیدنا محمد باقر کے بھائی سیدنا زید بن علی بن حسین فرماتے ہیں۔

لو کنت مکان ابوبکر لحکمت بمثل ماحکم به ابو بکر فی فدک

اگر ابوبکر کی جگہ میں ہوتا تو میں فدک کے معاملہ میں وہی کچھ کرتا جو ابوبکرؓ نے کیا تھا۔

(بحوالہ البدایہ والنھایہ جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 290 / السنن الکبریٰ جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 302 / ابن حدید شیعہ جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 113)

پھر یہ بھی روایات میں موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب فدک کا مطالبہ کیا اور سیدنا ابوبکر کے انکار پر وہ ناراض ہوگئیں جیسا کہ محمد بن مسلم المعروف ابن شہاب زہری شیعہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن کئی ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ ناراضگی وقتی تھی۔ دائمی نہ تھی اور وقتی طور پر تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی کئی دفعہ ناراض ہوئیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے امام شعبی سے روایت نقل کی ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن کے گھر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے معذرت کی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اُن سے راضی ہوگئیں۔ (طبقات ابن سعد جلد نمبر 8 صفحہ نمبر 17 / السنن الکبریٰ جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 301 / دُرہ نجفیہ شرح البلاغہ صفحہ نمبر 331,332)

شاید یہی وجہ تھی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماءؓ بنت عمیس نے کی اور پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 19,16 / السنن الکبریٰ جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 29 / حلیۃ الاولیاء جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 96)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہایت خوش دلی اور رضا و رغبت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو باغ فدک مانگا تھا۔ اُس میں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہوگئی تھیں اور سیدنا ابوبکر صدیق سے اپنی وفات تک راضی رہیں۔ ناراضگی کی روایات یار لوگوں کی وضع کردہ ہیں۔

(جاری ہے)

مفتی منیب الرحمٰن

حوادث و مصائب

دنیا میں انفرادی و اجتماعی طور پر لوگوں کو مختلف قسم کے مصائب، حوادث اور قدرتی آفات و بلیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی حقیقت و حکمت تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے: البتہ قرآن مجید اور احادیثِ طیبہ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانوں پر مصیبتوں و تکالیف کے آنے کی بڑی اور بنیادی وجوہات دو ہیں۔ انسانوں میں سے جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں، اُن پر آنے والی مصیبتیں اور تکلیفیں خود اُن کے اپنے شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ گناہ اور نافرمانیاں خواہ کفر و شرک کی حد کو پہنچی ہوئی ہوں یا عام صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہوں، بسا اوقات مکافاتِ عمل کے طور پر انسان کو ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے اِسی دنیا میں انسان کو بطورِ تنبیہ مختلف اقسام کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (1) ''اور تجھے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تیری وجہ سے ہی پہنچتی ہے'' (النساء: 79)، (2): ''اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے، (حالانکہ) اللہ بہت سے گناہوں کو معاف بھی فرما دیتا ہے'' (الشوریٰ: 30)۔ (3): ''خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا تا کہ اللہ اُنہیں اُن کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے، شاید وہ باز آجائیں'' (الروم: 41)۔

فساد سے مراد ہر وہ خرابی ہے جس سے انسانی معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جائے، یہ کبھی انسان کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے، جیسے نعمتوں کا زائل ہونا اور آفات اور مصائب کا آنا، مثلاً قحط آنا اور زمین میں پیداوار کا نہ ہونا، بارشوں کا رک جانا یا بکثرت سمندری طوفانوں کا آنا، دریاؤں میں سیلاب آنا، فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہونا، زلزلوں کا آنا، آگ لگ جانے، ڈوب جانے، مال چھن جانے، چوری اور ڈاکے کے واقعات کا زیادہ ہونا، یہ تمام فساد اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی کا نتیجہ ہے، یہ شرک اور بد اعمالیوں کا ثمرہ ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (1) ''اور ہم نے اُنہیں عذاب کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ لوٹ آئیں'' (الزخرف: 48)، (2): ''اور ہم اُنہیں بڑے عذاب سے پہلے نزدیک کا عذاب بھی چکھاتے ہیں تا کہ وہ باز آجائیں'' (السجدۃ: 21)، یعنی بعض لوگوں کو آخرت کے بڑے عذاب سے قبل اسی دنیا میں ذرا کم درجے کے عذاب مثلاً: مصائب، بیماریوں، قتل و غارت گری، قحط سالی اور مال و اولاد وغیرہ کی ہلاکت کا مزہ بھی چکھایا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی بد اعمالیوں سے باز آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں۔

قرآنِ کریم کی ان آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جملہ مصائب و تکالیف کی ایک وجہ انسان کا اپنا بُرا عمل ہوتا ہے، اگرچہ اُسے اپنی غفلت، کم عقلی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے اپنی کوئی خامی اور برائی دکھائی نہیں دیتی اور ہر چیز اُسے بظاہر ٹھیک اور درست سَمت میں نظر آتی ہے، لیکن اُس کی وہ خرابیاں اور کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے اُس پر مصیبت و پریشانی آئی ہے: چنانچہ غزوہ اُحد میں پہنچنے والی مصیبت کے حوالے سے بعض صحابہ کرام کے دلوں میں اِسی قسم کا خیال آیا تھا، جسے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اُس سے دگنی تم پہنچا چکے ہو، تو کہنے لگو: یہ

کہاں سے آئی، تم فرمادو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' (آل عمران: 165)۔

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب بنایا ہے اور ہر سبب کے لیے کوئی نہ کوئی نتیجہ بھی مقرر فرمایا ہے، جس قسم کے اسباب اختیار کیے جائیں گے، نتیجہ بھی اُسے کے مطابق برآمد ہوگا، ایسا نہیں کہ اگر کافر بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہاتھ ڈالے گا تو اُس کا ہاتھ تو جل جائے گا مگر مومن ڈالے گا تو اُسے کچھ نہیں ہوگا یا کافر بلند وبالا عمارت سے چھلانگ لگائے گا تو اُس کی ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں گی، جبکہ مومن صحیح سلامت رہے گا یا کافر اگر میٹھی چیزیں زیادہ کھائے گا تو اُسے تو شوگر ہوگی، لیکن مسلمان کھائے گا تو نہیں ہوگی، گوشت اور نمکین اشیا کے زیادہ استعمال سے کافر کا بلڈ پریشر ہائی ہوگا اور مومن کا نہیں ہوگا۔ بہر حال مصیبتیں اور پریشانیاں خواہ بیماریوں کی شکل میں ہوں یا ناکامیوں کی صورت میں، سب انسان کے شامتِ اعمال اور اُس کے اپنے کیے دھرے کا نتیجہ ہوتی ہیں، البتہ مصائب وآلام کی ٹھوکر لگنے پر اگر توفیقِ الٰہی بندے کے شامل حال ہوتی ہے تو اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ ان مصائب وتکالیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر نادم وپشیمان ہوتا ہے، مصائب وتکالیف پر صبر کرتے ہوئے اُنہیں عبرت ونصیحت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اپنے اعمال کی درستی اور اصلاح کر لیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہی تکالیف اور مصیبتیں اُس کے لیے خیر وبھلائی اور رحمت بن کر اُس کے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس دنیاوی تکلیف ومصیبت کی وجہ سے اُسے آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما دیتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے: (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے'' (الشوریٰ: 30)، پھر فرمایا: اے علی! میں تمہیں اس آیت کی تفسیر بتاتا ہوں: ''تم پر جو بیماری آتی ہے یا کوئی سزا ملتی ہے یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے، تو اس کی وجہ تمہارے اپنے کرتوت ہیں اور اللہ تعالیٰ اِس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ تم کو (اِس دنیا میں مصائب وتکالیف میں مبتلا کرنے کے بعد) دوبارہ آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما دیا تو اللہ اس سے بہت زیادہ حلیم ہے کہ وہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ سزا دے'' (مسند احمد: 649)، (۲) ''اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید میں ایک آیت مجھے بہت سخت معلوم ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون سی آیت ہے؟ میں نے عرض کی: ''جو کوئی بھی برائی کرے گا، اُسے اُس کا بدلہ دیا جائے گا'' (النسآء: 123)، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ مومن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا اُسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو یہ اُس کے برے عمل کا بدلہ ہو جاتا ہے'' (سنن ابوداوٗد: 3093)۔

(۳) ''اس بارے میں حضرت عامر الرامی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بہت واضح ہے، وہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کو جب کوئی بیماری پہنچتی ہے، پھر اُسے اللہ تعالیٰ اس بیماری سے عافیت عطا کر دیتا ہے تو یہ اُس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ اور آئندہ کے لیے نصیحت ہو جاتی ہے اور جب کوئی منافق بیمار ہوتا ہے اور پھر اُسے عافیت مل جاتی ہے تو وہ اُس اُونٹ کی مانند ہوتا ہے، جسے اُس کے مالک نے باندھ رکھا تھا اور پھر اُسے چھوڑ دیا،

پس وہ نہیں جانتا کہ اُسے کیوں باندھا تھا اور کیوں چھوڑا تھا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرد گرد بیٹھے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: یا سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بیماریاں کیا ہیں، میں تو کبھی بیمار ہی نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ، تم ہم میں سے نہیں ہو'' (سنن ابوداؤد: 3089)، (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور اُس کے پاس ایسے اعمال نہیں ہوتے کہ جو اُس کے گناہوں کے لیے کفارہ بن سکیں تو اللہ تعالیٰ اُسے غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اس کے گناہوں کو معاف کر دے'' (مسند احمد: 25236)، (۵) ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے مبتلائے مصیبت کر دیتا ہے'' (صحیح بخاری: 5645)۔

(۶) ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کے معاملے پر تعجب ہے، بیشک اُس کے تمام معاملات میں خیر ہوتی ہے جو کہ مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، اگر اُسے خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے، جو اُس کے لیے بہتر ہے اور اگر اُسے ضرر پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے جو کہ اُس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے'' (صحیح مسلم: 2999)۔

ان آیات واحادیث میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فی نفسہٖ مصائب وتکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عقاب نہیں، بلکہ خیر و بھلائی، گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں: البتہ یہ سزا اور عقاب کی شکل اُس وقت اختیار کرتے ہیں، جب انسان ان پریشانیوں اور آفتوں سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کے بجائے انہیں زمانے کی گردش اور ہیر پھیر سمجھتا رہے اور اپنی سابقہ روش کو برقرار رکھتے ہوئے گناہوں اور نافرمانیوں میں مصروف رہے، بلکہ سرکشی میں مزید آگے نکل جائے تو ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس اُونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جسے اُس کے مالک نے کچھ دیر کے لیے باندھ کر چھوڑ دیا ہو، اُسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اُسے کیوں باندھا گیا تھا اور کیوں کھولا گیا ہے، سو وہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا کے عذاب میں بھی مبتلا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر ناراضی اور افسوس کا اظہار فرمایا ہے، جنہیں اُن کے گناہوں کی وجہ سے مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرنے، عَجز واِنکسار بجالانے اور عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے بجائے اپنے تمرد وسرکشی پر قائم رہے؛ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان پر آئی تکلیف کو دور کر دیں تو بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اَڑے رہیں گے اور بیشک ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تو نہ وہ اپنے رب کے حضور جھکے اور نہ گڑگڑاتے ہیں'' (المومنون: 75-76) نیز فرمایا: ''اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے، ہم نے اُنہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں، پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ گڑگڑائے ہوتے، لیکن اُن کے تو دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے'' (الانعام: 42 تا 43)۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ مصیبت اور پریشانی کے وقت بندہ انبیائے کرام کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے اُس کے آگے گریہ وزاری کرے اور اپنی عاجزی اور کم ہمتی کا اعتراف کرے۔ حضرت ابواُمامہؓ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی بندہ کسی بیماری کی وجہ سے (اللہ کے آگے) عَجز کا اظہار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے

اُس بیماری سے اس حال میں اُٹھاتا ہے کہ وہ (گناہوں سے) پاک ہوتا ہے‘‘ (مجمع الزوائد: 3803)۔

گناہوں اور نافرمانیوں کے علاوہ بعض مصیبتیں اور پریشانیاں آزمائش وامتحان کے طور پر بھی آتی ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش فرماتا ہے تا کہ کھوٹے کو کھرے سے ممتاز فرمادے۔ انبیائے کرام ورسلِ عظام اور دیگر صالحین اہلِ ایمان؛ جنہیں اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے؛ اُن پر آنے والے مصائب وآلام اور تکالیف وابتلائیں اسی نوع سے تعلق رکھتی ہیں؛ چنانچہ اُن پر مصائب وتکالیف اس لیے آتی ہیں تا کہ اُن کے درجات بلند ہوجائیں اور اُن کے صبر وحوصلے اور ہمت واستقامت کو دیکھ کر دیگر مصیبت زدہ اہلِ ایمان کو سکون میسر آئے اور اُن میں بھی صبر کا حوصلہ اور جذبہ پیدا ہو۔ اہلِ ایمان میں سب سے سخت تر آزمائش انبیائے کرام کی ہوتی ہے اور اُن پر جو مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں وہ عام لوگوں پر آنے والی تکالیف کی نسبت دُگنی ہوتی ہیں، پھر جو شخص جتنا زیادہ نیک وصالح اور اپنے دین میں متصلّب ہوتا ہے اور انبیائے کرام کے نزدیک اور قریب ہوتا ہے، اُس کی آزمائش اُتنی ہی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے: (1) ’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیائے کرام کی ہوتی ہے، پھر جو اُن کے بعد مرتبے میں انبیائے کرام کے جتنے نزدیک ہوتے ہیں، آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، پس اگر وہ دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہو تو اُسی کے مطابق اُس کی آزمائش ہوتی ہے، یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اُس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا‘‘ (سنن ترمذی: 2398)، (۲) ’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں تپ رہے تھے، آپ کے جسمِ اقدس پر ایک لحاف تھا، میں نے اپنا ہاتھ اُس لحاف پر رکھا تو میں نے بخار کی حدت وتپش سے لحاف کو گرم پایا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو تو بہت شدید بخار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہِ انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، ہم لوگوں پر مصیبت بھی دگنی آتی ہے اور ہمیں اجر بھی دگنا ملتا ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیائے کرام کی، میں نے عرض کی: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: نیک وصالح لوگوں کی، اُن میں سے بعض کو ایسے فقر میں مبتلا کردیا جاتا ہے کہ اُن کے پاس ایک چوغہ کے علاوہ؛ جسے وہ اپنے جسم پر لپیٹتے ہیں؛ کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اُن میں بعض تو آزمائش پر اس طرح خوش ہوتے ہیں کہ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص مال ودولت کے ملنے پر خوش ہوتا ہے‘‘ (سنن ابن ماجہ: 4024)۔

احادیثِ طیبہ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بندۂ مومن کے حق میں امراض وتکالیف اور مصائب وآلام حتیٰ کہ کانٹا چبھنے جیسی معمولی تکلیف بھی خیر وبھلائی کا باعث ہے، کیونکہ یہ اس کے گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتے ہیں اور کل بروزِ قیامت وہ اللہ تعالیٰ سے اِس حال میں ملاقات کرے گا کہ گناہوں سے بالکل صاف ستھرا ہوگا۔ (۱) ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صالحین پر سختی کی جاتی ہے اور مسلمان کو کسی کانٹے کے ذریعے یا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اُس کے ذریعے اُس کی ایک خطا مٹادی جاتی ہے اور

ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے‘‘ (مسند احمد: 25264)، (۲) ’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جو بھی تھکن، رنج و غم یا بیماری پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر اُسے کوئی فکر بھی لاحق ہوتی ہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اُس کی برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے‘‘ (سنن ترمذی: 966)، (۳) ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کی رگ (بیماری کی وجہ سے) جوش نہیں مارتی، مگر اُس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک خطا کو مٹا دیتا ہے اور اُس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کا درجہ بلند فرما دیتا ہے‘‘ (معجم الاوسط: 2460)، (۴) ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن مرد و عورت ہمیشہ اپنے نفس، اپنی اولاد اور مال کے حوالے سے پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتے ہیں کہ اُن پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا‘‘ (سنن ترمذی: 2399)، (۵): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کے لیے کوئی ایسا درجہ مقرر کیا جاتا ہے جسے وہ اپنے عمل کے ذریعے نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کے جسم یا اُس کے مال یا اولاد کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اُسے صبر کی توفیق بھی عطا کرتا ہے، حتیٰ کہ اُسے اُس درجے پر پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اُس کے لیے مقرر ہوتا ہے‘‘ (مسند احمد: 22338)، (۶): ’’حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہلِ ابتلا کو ثواب دیا جا رہا ہوگا تو اہلِ عافیت یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں اُن کی کھالوں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا‘‘ (سنن ترمذی: 2402)۔ ان احادیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ بیماریوں اور تکلیفوں کو بُرا نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ یہ درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہیں، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم سائب یا اُم مسیّب نامی ایک صحابیہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں دیکھا تو فرمایا: تم کیوں کانپ رہی ہو؟ اُنہوں نے کہا: مجھے بخار ہے اور اللہ اس میں برکت نہ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’بخار کو بُرا مت کہو، کیونکہ یہ بنی آدم سے خطاؤں کو اس طرح لے جاتا ہے، جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے‘‘ (صحیح مسلم: 2575)۔ صوفیا کرام فرماتے ہیں: جس شخص کو عبادتوں میں لذت نہ آئے اور اس پر اسے غم ہو، تو یہ بھی گناہوں کی معافی کا باعث ہے۔ اہلِ علم حضرات نے ان احادیث کے تحت ذکر کیا ہے کہ بندۂ مومن کے حق میں مصائب و تکالیف مطلقاً گناہوں کے لیے کفارہ بنتی ہیں، خواہ وہ ان پر صبر کرے یا نہ کرے؛ البتہ بعض اہلِ علم نے کہا ہے: کسی مصیبت کی وجہ سے اجر و ثواب اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب ان مصیبتوں پر صبر کیا جائے، کیونکہ قرآن و سنت میں اجر و ثواب کے حصول کے لیے صبر کی شرط عائد کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) ’’بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا‘‘ (الزمر: 10)، (۲) ’’اور ضرور ہم تمہیں خوف اور بھوک اور اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو کہتے ہیں: ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے‘‘ (البقرہ: 154 تا 155)۔

اس حوالے سے احادیث درج ذیل ہیں: (۱) ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک بدلے کا بڑا ہونا آزمائش کے بڑے ہونے کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اُنہیں (مصائب میں) مبتلا کر دیتا ہے، پس جو راضی رہتا ہے تو اُس کے لیے (اللہ کی طرف سے) رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے تو

اُس کے لیے ناراضی ہے‘‘ (سنن ترمذی: 2396)، (۲) ’’حضرت محمودؓ بن لبید بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو اُنہیں مبتلائے مصیبت کر دیتا ہے، پس جو صبر کرتا ہے تو اُس کے لیے صبر (کا ثواب) ہے اور جو بے صبری کرتا ہے تو اُس کے لیے بے صبری (کا وبال) ہے‘‘ (مسند احمد: 23623)، (۳) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’میرے پاس میرے اُس بندۂ مومن کے لیے جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے، جس کی میں کوئی عزیز چیز قبض کرلوں اور پھر وہ اُس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے‘‘ (صحیح بخاری: 6424)، (۴) ’’عطا بن ابی رباح بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہؓ بن عباس نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں، میں نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا: یہ جو حبشی عورت ہے (یہ جنتی ہے)، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر اور تیرے لیے صبر کے بدلے میں جنت ہوگی اور اگر چاہے تو میں تیرے لیے دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس مرض سے عافیت عطا کر دے، اُس نے کہا: میں صبر کروں گی، پھر اُس نے کہا: مرگی کے دورے کے دوران میرا ستر کھل جاتا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی‘‘ (صحیح بخاری: 5652)، (۵) ’’حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل مَلَکُ الموت سے فرماتا ہے: اے ملکُ الموت! تو نے میرے بندے کے بچے کی روح کو قبض کرلیا، تو نے اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے دل کے سکون پر قبضہ کرلیا، وہ کہتا ہے: ہاں! اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: اُس نے کیا کہا: وہ کہتا ہے کہ اُس بندے نے تیری حمد کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کر دو اور اُس کا نام بَیْتُ الْحَمْد رکھو‘‘ (سنن ترمذی: 1021)، اس حدیث کے تحت علامہ مناوی شافعی لکھتے ہیں: ’’علامہ عز بن عبدالسلام اور علامہ ابن قیم نے کہا ہے: بیماریاں اور مصیبتیں چونکہ غیر اختیاری طور پر آتی ہیں، اس لیے اُن پر اجر وثواب حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اُن پر صبر کرنے سے اجر حاصل ہوتا ہے جو کہ بندے کے اختیار اور کسب سے ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں بیان ہے کہ بندے کو جنت میں جو محل حاصل ہوتا ہے وہ اُس کے حمد کرنے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے کی وجہ سے ملتا ہے نہ کہ اُس پر آنے والی مصیبت کی وجہ سے؛ البتہ مصیبت کا ثواب یہ ہے کہ اُس سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں‘‘ (فیض القدیر: ج: 1 ص: 440) جبکہ بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ مصیبت پر خواہ صبر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اس کی وجہ سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور اجر وثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: ’’احادیث صحیحہ وصریحہ سے بظاہر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امراض وتکالیف مطلقاً اجر وثواب کے حصول اور گناہوں کی معافی کا سبب ہیں، خواہ اُن پر صبر کیا جائے یا نہ کیا جائے، رہی بات مصیبت پر صبر کرنے اور اُس پر راضی رہنے کی تو وہ ایک علیحدہ بات ہے، ممکن ہے کہ مصیبت پر صبر کرنے کی صورت میں صبر کا زائد اجر وثواب حاصل ہو اور اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ جس درجے کی مصیبت ہوتی ہے، وہ اس درجے کے گناہ کے لیے کفارہ بنتی ہے اور اُس مصیبت پر صبر کرنے اور راضی رہنے پر اجر وثواب دیا جاتا ہے، پس اگر مصیبت زدہ شخص کا کوئی گناہ ہی نہ ہو، تو اس کے بدلے مصیبت کے بقدر ثواب دیا جاتا ہے‘‘ (فتح الباری: ج: 10 ص: 105)۔

انتخاب وترتیب: محمد اُسامہ ڈیروی (متعلم مدرسہ معمورہ)

خواتین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث مبارکہ

(۱)　معلم انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو نصف دین کا مل کرلیا اب اس کو چاہیے کہ باقی نصف میں خدا سے ڈرے (بیہقی)

(۲)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی دیندار اور خوش خلق تمہارے یہاں نکاح کا پیام بھیجے تو اس سے نکاح کردو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی)

(۳)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد خدا کے ذمہ ہے (۱) وہ غلام مکاتب جس کی نیت ادائیگی کی ہو (۲) وہ نکاح کرنے والا جس کی نیت پاک دامن رہنے کی ہو (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا (ایضاً)

(۴)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں دیکھ کر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) مال (۲) خاندانی بڑائی (۳) خوبصورتی (۴) دینداری۔ پس تم دیندار عورت حاصل کر کے کامیاب بنو۔ (بخاری ومسلم)

(۵)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کبھی کوئی غیر مرد کسی عورت کیساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ضرور تیسرا شیطان (بھی) ہوتا ہے۔

(۶)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری جانب سے عورتوں کیساتھ بھلائی سے پیش آنے کی وصیت قبول کرلو (مشکوٰۃ)

(۷)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے کسی طرح سیدھی نہیں ہوسکتی اسکی کجی کے ہوتے ہوئے ہی اس سے نفع حاصل کرسکتے ہو اگر اس کو سیدھی کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور عورت کا توڑنا طلاق دے دینا ہے (مسلم)

(۸)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارو (کیونکہ) آخر شام کو اس کے ساتھ لیٹو گے۔ (مشکوٰۃ)

(۹)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ کامل ایمان والے مومن وہ بھی ہیں جو خوش خلق ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

(۱۰)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا وآخرت کی بھلائی مل گئی۔ (۱) شکر گزاری والا دل (۲) اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) امانت دار بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے (مشکوٰۃ)

(۱۱)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق سے زیادہ بغض والی کوئی چیز خدا نے زمین پر پیدا نہیں فرمائی (مشکوٰۃ)

(۱۲)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے (ایضاً)

(۱۳)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت سے اغلام کرے (احمد ابوداؤد)

(۱۴)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی)

(۱۵)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے جسکی وجہ سے مرد

ناراضگی میں رات گذارے تو صبح تک عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے (مشکوٰۃ)

(۱۶)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو راضی چھوڑ کر مرے وہ جنت میں داخل ہوگی (مشکوٰۃ)

(۱۷)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور روزے رمضان کے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرلے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے (ایضاً)

(۱۸)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد اپنی حاجت کے لیے بیوی کو بلائے تو آجائے اگرچہ تنور پر کام کر رہی ہو (ترمذی)

(۱۹)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا غلام کو اس کے آقا کے خلاف بھڑکائے (مشکوٰۃ)

(۲۰)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزے نہ رکھے جب کہ شوہر گھر پر ہو (ابوداؤد)

(۲۱)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک واپس آکر اپنے آقا کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے (۲) وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو (۳) نشہ پی کر بے ہوش ہو جانے والا جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۲)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت بغیر مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ترمذی)

(۲۳)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سوال کے جواب میں) کہ بہتر عورت وہ ہے جو اپنے مرد کو خوش کرلے جب مرد اس کی طرف دیکھے اور جب مرد حکم کرے تو کہا مانے اور اپنی جان کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی غیر سے آنکھ نہ ملائے اور دل نہ لگائے) اور شوہر کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قادر ہوتے ہوئے عمدہ کپڑے تواضعاً نہ پہنے خدا اس کو کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور جو شخص اللہ کے لیے نکاح کرے خدا اس کو شاہی تاج پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۲۵)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کے مشابہ بنیں (مشکوٰۃ)

(۲۶)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر نہ آئے اور خوشبو آئے اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر آئے اور خوشبو کم آئے (ترمذی)

(۲۷)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب میں سارے گناہ موجود ہیں اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۸)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اکثر غریب ہیں اور دوزخ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اکثر عورتیں ہیں (مشکوٰۃ)

(۲۹)　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں صدقہ کیا کرو اگرچہ زیور ہی سے دو کیونکہ قیامت کے دن

دوزخ میں اکثر تم ہی ہوگی۔(مشکوٰۃ)

(۳۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت چھپی ہوئی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکنے لگتا ہے(ترمذی)

(۳۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی مکاریوں سے بچو کیونکہ بلاشبہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں کھڑا ہوا۔(مشکوٰۃ)

(۳۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مومن اپنی مومن بیوی سے بغض نہ رکھے کیونکہ اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند آجائے گی۔(ایضاً)

(۳۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچہ جاتا رہا ہو تو اس کو جنت میں چادریں پہنائی جائیں گی۔(ایضاً)

(۳۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت پر خدا لعنت کرے جو (کسی کے مرنے پر) زور سے اور بیان کرکے روئے اور اس عورت پر جو اس کا رونا سنے(ایضاً)

(۳۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتو! **سُبْحَانَ اللّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** اور **سُبْحَانَ الْمَلِک الْقُدُّوْس** کا ورد رکھو اور انگلیوں پر پڑھا کرو کیونکہ انگلیوں سے معلوم کیا جائے گا اور ان کو زبان دی جائے گی اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ ورنہ رحمت خداوندی سے بھلا دی جاؤ گی۔(ترمذی)

(۳۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! تم سب کے سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا صاحبِ اقتدار عوام کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اس سے شوہر کے مال اور اولاد کا سوال ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے مال کا سوال ہوگا خبردار تم سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا(بخاری و مسلم)

(۳۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں پر گذرے تاکہ اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زناکار ہے پھر فرمایا کہ ہر آنکھ زناکار ہے(یعنی نامحرم مرد یا عورت کو دیکھنا بھی زنا ہے)(ترغیب)

(۳۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گروہ دوزخی ہوں گے جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے یعنی ابھی وہ موجود نہیں ہوئے۔اوّل وہ لوگ جو بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے لیئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی مگر ننگی ہوگی۔مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے اور اس کی خوشبو تک نہ سونگھیں گی۔(مسلم)

(۳۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تو اپنے آپ کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی اولاد کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلائے وہ صدقہ ہے(احمد)

(۴۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عورت کی طرف (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہیں حالانکہ اس کی محتاج رہتی ہے۔(نسائی)

(سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم از حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ البرنی بلند شہری)

جمشید حامد ملتانی

بائیکاٹ

یہ بات لکھتے ہوئے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور دل رو رہا ہے کہ امت مسلمہ اپنی تعداد اور مادی و معنوی طاقتوں کے باوجود کفر کے علم برداروں کو گستاخیِ رسول سے روک نہیں سکی۔ فرانس میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی گئی اور عالمِ اسلام کے حکمران خاموش تماشائی بنے رہے، یا ایک آدھ مذمتی بیان پر اکتفا کر لیا۔ شکوہ عالمِ کفر سے نہیں ہے، کیونکہ ان کا ایجنڈا تو واضح ہے، افسوس ان اسلامی ممالک پر ہے جو پٹرول کے سمندروں اور معدنی ذخائر کے خزانوں پر قابض ہیں، جن کے پاس ہتھیاروں، افواج اور افراد کی کوئی کمی نہیں مگر انھیں اپنی ہی قوموں کو بار بار فتح کرنے سے فرصت نہیں مل رہی۔

پوری امت کے جذبات اور احساسات کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ مسلمانانِ عالم کا خون گرم ہو کر لاوا بن چکا ہے اور ایک دن یہ لاوا عالمِ کفر کو جلا کر راکھ کر دے گا۔ فرانس آزادی خیال کی آڑ میں ایک عظیم جنگ کی ابتداء کر رہا ہے اور پوری دنیا کا امن وسکون برباد کر دینا چاہتا ہے۔ فرانس کو شانِ رسالت میں گستاخی کرنے کی جرأت اس بات سے ملی ہے (اور یہ کہتے ہوئے مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے) کہ پاکستانی اور دیگر نام نہاد اسلامی ممالک کی حکومتیں پہلے کئی بار گستاخانِ رسالت مآب کو مغربی دباؤ میں آکر رہا کر چکی ہیں۔ اگر ان نااہل وغدار حکومتوں نے ان بدترین دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ہوتا تو دنیا کو معلوم ہو جاتا ہے اہلِ اسلام اس حرکت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

لیکن میں عالمِ کفر کو اور اس کے نفسِ خبیثہ فرانس کو کھلے لفظوں میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کیا ہوا جو ہم پر دنیا بھر میں ہمارے بدترین لوگ بطور حکمران مسلط ہیں، امت اپنی ایمانی کیفیات کے ساتھ ابھی تک زندہ ہے۔ اسی زندگی کا ثبوت مسلمانوں نے فرانسیسی مصنوعات کا شاندار بائیکاٹ کر کے دیا ہے۔ تازہ خبر یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک فرانس کی تاریخ میں معیشت کی بدحالی کا سب سے بڑا بحران پیدا ہو گیا ہے۔

ایک بات میں اہلِ اسلام سے کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اہلِ کفر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی حرکتوں اور خباثتوں سے باز نہیں آئیں گے اور ہم آپ آہستہ آہستہ احتجاج کا راستہ چھوڑ کر ان کی ذلالت کو بھول کر اس کے عادی ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنے عمل سے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہیے اور اس بائیکاٹ کی تحریک کو مستقل جاری رکھنا چاہیے۔

اور آخری بات ان بدنہادوں سے جو امت مسلمہ پر حکمران بن کر مسلط ہیں۔ اے گروہِ بدکاراں! اگر تم نصرتِ دینِ خداوندی نہیں کر سکتے تو یاد رکھو، دین تمھارا محتاج نہیں، مگر کم از کم کفر کی نصرت سے تو اپنے ہاتھ روک سکتے ہو؟ کیا تم بھول گئے کہ تمھارے اور ہمارے رب نے تمھارے پیش رو منافقین کو کیسے ذلیل و رسوا کیا؟

مولانا محمد منصور احمد

ہم اسرائیل سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟

اقبال مرحوم نے کہا تھا:

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

نئی نسل جس نے اکیسویں صدی میں آنکھ کھولی ہے، وہ عام طور پر اس ظلم وستم اور بے وفائیوں کی داستان سے بے خبر ہے جسے فلسطین کی سرزمین نے جھیلا اور برداشت کیا ہے۔ جب سے امریکی صدر نے ’’صفقۃ القرن‘‘ یعنی صدی کے سب سے بڑے سودے کا ڈول ڈالا ہے، مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کیلئے فضا ہموار کرنے کا سلسلہ شروع ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور اہل فلسطین کیلئے انسانی حقوق کے نعرے اب پرانے ہو چکے ہیں، اس لیے ہر مسلمان حکمران بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اس سودے کا حصہ بننے کی تیاری کر رہا ہے۔

اسرائیل ایک ایسا ملک ہے، جس کی بنیاد ہی ظالمانہ اور غاصبانہ قبضے پر ہے۔ پھر اپنے قیام کے دن سے لے کر آج تک اس نے اہل فلسطین کے ساتھ جو رویہ اختیار کر رکھا ہے، وہ ایک خونی اور جنونی قاتل کا ہے۔ ہم اور دنیا کے کروڑوں مسلمان اسی لیے اسرائیل سے نفرت کرتے ہیں کہ ایک طرف تو اس غاصب ریاست نے مسجد اقصیٰ کو جو مسلمانوں کا تیسرا حرم پاک اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کی پہلی منزل ہے، ہر طرح کا نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی شدید بے حرمتی سے لے کر اس کے نیچے خندقیں کھودنے اور اسے مکمل طور پر ہیکل میں تبدیل کر دینے کے مذموم عزائم کو اسرائیل نے کبھی نہیں چھپایا۔ دوسری طرف اسرائیل نے فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا، ان کی بستیوں پر قبضے کیے، ان کی املاک تباہ کیں اور ایک وحشی درندہ سے جو بھی توقع ہو سکتی ہے، اسرائیل نے اُسے پورا کیا ہے۔

جب ہم سرزمین فلسطین کے تاریخی منظر نامہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۹۹ء کے آخر میں بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا جو کم وبیش نوے سال رہا اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے مسلسل معرکوں کے بعد اسے عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرایا۔ بیت المقدس، فلسطین کا دار الحکومت تھا جو درمیان کے مذکورہ نوے برس کے عرصہ کے علاوہ حضرت عمرؓ کے دور سے مسلمانوں کے پاس ہی رہا ہے، یہاں تک کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے دسمبر ۱۹۱۷ء میں اس پر قبضہ کر کے اس پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس سے قبل فلسطین خلافت عثمانیہ کا صوبہ تھا، پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا اس لیے جرمنی کی شکست کے ساتھ ہی خلافت عثمانیہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی تھی اور اس کشمکش میں فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ عالمی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔ ’’گاڈ فرے ڈی بولون‘‘ نامی انگریز کمشنر نے ۱۰؍دسمبر ۱۹۱۷ء کو فلسطین کا اقتدار سنبھالا اور ۱۵؍مئی ۱۹۴۸ء تک فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ رہا۔ خلافت عثمانیہ نے یہودیوں کو ویزے پر بیت المقدس آنے اور اپنے مقدس مقامات کی زیارت اور وہاں عبادت کی آزادی دے رکھی تھی مگر انہیں

فلسطین میں زمین خریدنے، کاروبار کرنے اور رہائش اختیار کرنے کا حق قانونی طور پر حاصل نہیں تھا۔

اس دوران یہودیوں نے عالمی سطح پر ''صہیونیت'' کے عنوان سے ایک تحریک کا آغاز کیا ''صہیون'' بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے جو یہودیوں کے ہاں بہت متبرک سمجھا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس پہاڑی پر حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ تھی۔ اس پہاڑ کے تقدس کو عنوان بنا کر یہودیوں نے تحریک شروع کی جس میں فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن قرار دے کر اسے واپس لینے کا عزم کیا گیا تھا۔ صہیونی تحریکوں کے لیڈروں نے اس وقت کے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید دوم مرحوم سے درخواست کی کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کا حق دیا جائے۔ سلطان نے اس سے انکار کردیا، انہیں بیش بہا مالی مراعات کی پیش کش کی جو انہوں نے قبول نہیں کیں۔ سلطان عبدالحمید دوم نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ یہودی صرف فلسطین میں آباد ہونے کا حق نہیں مانگ رہے، بلکہ اس کی آڑ میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں، اس لیے ان کی ملی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ یہودیوں کو اس بات کا موقع فراہم کریں۔ اسی وجہ سے سلطان عبدالحمید دوم یہودیوں کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے اور ان کے خلاف وہ تحریک چلی جس کے نتیجے میں وہ خلافت سے محروم ہو کر نظر بندی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے اور اسی نظر بندی میں ان کا انتقال ہوا۔

اس موقع پر برطانیہ کے وزیر خارجہ بالفور نے اعلان کیا کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کرتے ہیں اور موقع ملنے پر انہیں وہاں آباد ہونے کی سہولت فراہم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں، جسے اعلان بالفور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عوض یہودیوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے مالی نقصانات کی تلافی کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ان مالی مفادات کے باعث برطانیہ اور اس کے ساتھی ممالک نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

جب فلسطین برطانیہ کے قبضے میں گیا تو وہ قانون منسوخ کردیا گیا جس کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے اور سکونت اختیار کرنے سے روکا گیا تھا۔ اس کے بعد دنیا بھر سے یہودی وہاں آنا شروع ہو گئے اور فلسطین میں زمینیں اور مکانات خرید کر انہوں نے آباد ہونے کا آغاز کردیا۔ اس موقع پر مفتی اعظم فلسطین الحاج سید امین الحسینیؒ نے فتویٰ جاری کیا کہ چونکہ یہودی بیت المقدس میں آباد ہو کر بیت المقدس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے فلسطین کی زمین یہودیوں پر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔ برصغیر کے اکابر علماء کرام نے بھی جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ شامل ہیں اس فتویٰ کی تائید کی۔ مگر اس فتویٰ کے باوجود فلسطین میں یہودیوں پر زمینوں اور مکانات کی فروخت نہیں رکی۔ صرف اتنا ہوا کہ زمینوں کی قیمتیں بڑھ گئیں اور یہودیوں نے جو دنیا کے مختلف ممالک سے وہاں مسلسل آرہے تھے دُگنی چوگنی قیمتوں پر فلسطین کا ایک بڑا حصہ خرید لیا۔

اس طرح اسرائیل بننے سے پہلے ۱۹۴۸ء کی اس خوفناک، خون آلود، دہشت گردی اور بربریت کی جنگ میں ہزاروں فلسطینی بے گھر ہوئے۔ خاندان تباہ ہوئے، فلسطینی خانہ بدوش، مہاجر کیمپوں کے رہائشی بنے، بوڑھے، بچے، بیمار ناتواں پیدل سفر کی صعوبتوں سے جان کی بازی ہار گئے۔ متمول، بااثر اور معتبر افراد فلسطینی مہاجر کیمپوں میں خیراتی راشن کے لیے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوئے۔ جو فلسطین کے پشتوں سے شہری تھے ان کو زبردستی ملک بدر کر کے غیر ملکیوں کو ان کے گھروں میں لاکر بسایا جارہا تھا۔ ۱۹۴۸ء کی اس جنگ، اس حادثے اور اس کھلی ناانصافی کو یہودی، اسرائیلی جنگ آزادی کا نام دیتے ہیں، جو قتل وغارت گری ایک سال تک جاری رہی۔ یہودیوں نے برطانیہ کا اقتدار ختم ہونے سے پہلے ہی

ایک مسلح آرمی تیار کرلی تھی، یہ آرمی دہشت گردی، لوٹ مار، غنڈہ گردی کی ماہر تھی اور اپنی کاروائیوں سے عام عرب شہریوں کو تباہ کر رہی تھی، اس آرمی نے فلسطینیوں کے سینکڑوں گاؤں خالی کرا کر دوسرے ممالک سے ترکِ وطن کر کے آنے والے یہودیوں کے حوالے کر دیئے تھے۔

مئی ۱۹۴۸ء کے بعد اسرائیلیوں نے منظّم سازش کے تحت بڑے پیمانے پر فلسطینیوں کے لیے قتل گاہیں سجائیں، ۱۹۴۸ء میں اس جنگ کے دوران اسرائیل نے فلسطین کے ۷۸ فی صد علاقے پر قبضہ کر کے سات لاکھ پچاس ہزار فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا، یہ فلسطینی مہاجر لبنان، شام، اردن، مغربی کنارے، غزہ، مراکش، تیونس، مصر اور دنیا کے کونے کونے میں جا کر پناہ گزیں ہوئے اور آج تک مہاجر ہیں۔ ان فلسطینی مہاجروں کو اپنے وطن میں واپس آنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس ستم رسیدہ فلسطینیوں کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اسرائیل نے بین الاقوامی نظروں کے سامنے سفا کی کے ساتھ فلسطینیوں کو اپنی دھرتی سے زبردستی ملک بدر کر دیا اور بین الاقوامی ضمیر سویا رہا یا مصلحتِ وقت کی بنا پر خاموش رہا۔ ادھر یہودی فلسطینیوں کی جائیداد، گھروں، باغات، فصل سے لدے ہوئے کھیتوں اور زمینوں کے راتوں رات مالک بن گئے۔ اسرائیل میں ایمرجنسی قوانین نافذ کر دیئے گئے جو آج تک لاگو ہیں۔

الغرض ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۸ء تک برطانیہ نے فلسطین میں یہودیوں کی آمد اور آبادی کی سرپرستی کر کے ''اعلان بالفور'' کے ذریعہ کیا گیا وعدہ پورا کیا اور جب دیکھا کہ فلسطین کا ایک بڑا حصہ یہودیوں کے قبضے میں آچکا ہے تو انہوں نے اپنے لیے برطانیہ کی طرف سے مخصوص کردہ علاقے میں اسرائیل کے نام سے نئی سلطنت قائم کرنے کا اعلان کر دیا جسے امریکہ اور روس سمیت عالمی طاقتوں نے تسلیم کرلیا اور اقوام متحدہ نے بھی اسرائیل اور فلسطین کے درمیان حد بندی کر کے اسرائیل کو ایک آزاد ریاست قرار دینے کا اعلان کر دیا۔

اس کشمکش میں یہودیوں نے اچھے خاصے علاقے پر قبضہ کیا مگر بیت المقدس کا مشرقی حصہ جس میں بیت المقدس کا مقدس احاطہ ہے، اردن کے پاس رہا اور اس پر اس کا انتظامی حق تسلیم کرلیا گیا۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے (مصر، شام اور اردن کے دیگر علاقوں کے ساتھ) یروشلم کے مشرقی حصے اور مسجد اقصیٰ پر بھی قبضہ کرلیا اور اس وقت سے یہ علاقہ اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ دنیا بھر میں انسانی حقوق کا پرچار کرنے والے جب اسرائیل کی پیٹھ تھپکتے ہیں تو اس کی دیدہ دلیری اور بڑھ جاتی ہے، پھر وہ اہل فلسطین کے خلاف ایسے اقدام اٹھاتا ہے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان بھی دیکھیں تو لرز اٹھیں۔ مظلوم فلسطین مسلمانوں کی ایسی دل خراش داستانیں عالمی ذرائع ابلاغ کا حصہ بنتی رہتی ہیں کہ ان کو پڑھنے کے لیے بھی فولاد کا جگر چاہیے۔

ان تمام تاریخی حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک اسرائیل اپنے ظالمانہ اقدامات سے باز نہیں آجاتا، مسجد اقصیٰ اور دیگر مقبوضہ فلسطینی علاقے آزاد نہیں کر دیئے جاتے تب تک امریکی صدر کی خواہش پر اسرائیل کو تسلیم کرلینا سوائے بے غیرتی اور بزدلی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اہل ایمان نے نہ تو کل اسرائیل کا ظالمانہ قبضہ جائز تصور کیا تھا اور نہ ہی آئندہ اس کا تصور کیا جاسکتا ہے، البتہ مسلمانوں کے وہ حکمران جو غیروں کے اشارے پر چل رہے ہیں، وہ اپنے سیاہ کارناموں سے اپنی زندگیوں یا حکومتوں میں تو کوئی اضافہ نہیں کرسکیں گے البتہ اپنا نام غداران قوم وملت کی فہرست میں ضرور لکھوا جائیں گے۔

اللہ کریم اہل فلسطین کی مدد فرمائے اور پوری امت کو آزادی کی نعمت عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

نور اللہ فارانی

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مکتوب نگاری

فن مکتوب نگاری کے مختلف پہلوؤں پر ہر حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور آئندہ بھی لکھا جائے گا۔ زیر نظر مضمون میں فن مکتوب نگاری کی تاریخ پر لکھنے اور مختلف ادوار کی تعین کیے بغیر تطویل سے پہلو تہی کرتے ہوئے، مجاہد آزادی خطیب اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مکتوب نگاری پر کچھ عرض ومعروض کرنا چاہتے ہیں۔ عنوان کی حد تک موضوع کے حدود کی رعایت رکھتے ہوئے صرف یہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کے مکتوباتی سرمایے کی تاریخ دو سو سترہ سال قدیم ہے۔ اردو زبان کا اب تک سب سے قدیم دستیاب شدہ مکتوب 1803ء کا تحریر کردہ ہے۔ جس کی مکتوب نگار فقیرہ بیگم اور مکتوب الیہ میرزا محمد ظہیر الدین علی بخت اظفری دہلوی (۱۷۵۸ء-۱۸۱۸ء) تھے۔ یہ خط ''واقعات اظفری'' کے نسخہ دانش گاہ ٹیوبنگن جرمنی میں شامل ہے''۔(1)

اب تک کی معلومات کے مطابق ''سیدی وابی'' میں شائع شدہ خطوط کے علاوہ شاہ جی کے تقریباً تیس کے قریب خطوط دستیاب ہیں۔ جو مختلف کتب، رسائل اور تذکروں کی زینت ہیں۔ جن کے بعض چیدہ چیدہ اقتباسات اور ایک دو خطوط کی مکمل عبارت پر ہماری یہ تحریر محیط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مکتوبات مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ امیر شریعت کی زندگی ایک عوامی زندگی اور کھلی کتاب کی مانند ہے۔ مگر بایں ہمہ ایک انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو جاننا ایک مشکل امر ہے۔ کیونکہ کسی انسان کی زندگی کے جتنے پہلو نمایاں اور عام لوگوں کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ پہلو اخفا کے پردے میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی شخصیت کے سوانح وافکار اور کردار نگاری میں ان کے خطوط کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ خطوط میں کسی شخصیت کی زندگی کے بعض پوشیدہ گوشے ان کے اپنے ہی قلم سے احساسات، جذبات، میلانات، اور افکار کی صورت میں بڑی بے تکلفی سے رقم ہو جاتے ہیں جو بڑے حسین، نمایاں اور صاف نظر آتے ہیں۔ حضرت امیر شریعت کے خطوط کی دنیا محدود ہے، ضرورت پیش ہوئی خط کا جواب لکھا وہ بھی جتنا ہو سکا مختصر لکھا اور بس۔ کیونکہ آپ لکھنے لکھانے سے طبعی طور پر متنفر تھے، تحریر کو فتنہ سے تعبیر کرتے۔ مولانا ظہور احمد بگوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ''فتنۂ تحریر سے بہت ڈرتا ہوں اس لیے کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا۔''(2)

شورش کا کہنا ہے کہ: ''لکھنے لکھانے کا شوق کبھی نہ تھا البتہ خطوط کا جواب سفر وحضر دونوں صورتوں میں خود لکھتے، غیر ضروری خط وکتابت سے اجتناب کرتے''۔(3)

شاہ جی کے اولین سوانح نگار خان غازی کابلی لکھتے ہیں: ''سفر وحضر دونوں حالتوں میں ایک سوٹ کیس اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جس میں پہننے کے لیے کپڑوں کے علاوہ ریلوے ٹائم ٹیبل اور ادویہ، احباب کے خطوط، لفافے اور

پوسٹ کارڈ بھی ہوتے ہیں۔فرصت کے وقت احباب کے خطوط کا جواب لکھتے ہیں''۔ (4)

خان غازی کابلی قاری محمد سعید عظیم آبادی کے ساتھ شاہ جی کے خط وکتابت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قاری موصوف شاہ صاحب کے بچپن کے ساتھی ہیں،اور پٹنہ میں آپ کے ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔بخاری صاحب آپ کو ایسی طرز وانداز میں خطوط لکھتے ہیں۔جن سے قاری صاحب کے علاوہ اور کوئی شخص لطف اندوز نہیں ہوسکتا''۔(5)

آپ کے مکتوب الیہم اکثر آپ کے خاندان والے، دوست واحباب، تحریک میں شامل اپنے فکر ونظریہ کے افراد ہوتے۔آپ کے دستیاب خطوط میں بعض حضرات کے ساتھ آپ کے خط وکتابت کا پتہ چلتا ہے۔آپ کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کے تین خطوط ''سیدی وابی'' میں چھپ چکے ہیں،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کے ساتھ عقیدت ومحبت کے لازوال رشتے کے علاوہ خط وکتابت کا رشتہ بھی استوار تھا۔مگر افسوس آپ کے لکھے اکثر خطوط دستیاب نہیں۔آپ کے خطوط کا ایک مجموعہ جناب نعیم آسی مرحوم نے دسمبر 1981ء کو مسلم اکادمی سیالکوٹ سے ''مکاتیب امیر شریعت'' کے نام سے شائع کیا تھا۔باب اول میں آپ کے نو خطوط۔باب دوم میں امیر شریعت کے دو آٹوگراف ''بیان القرآن'' اور ایک منی آرڈر پر دستخط شامل ہیں۔باب سوم میں آپ کے بعض چیدہ اشعار اور آخر میں ایک ضمیمہ ملحق ہے،جس میں دو مکتوب شامل ہیں۔پہلا مکتوب مولانا احمد علی لاہوریؒ بنام شاہ جیؒ دوسرا مکتوب مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بنام شاہ جیؒ درج ہیں۔نعیم آسی مرحوم نے اس مجموعہ میں شاہ جی کے مکتوبات کی جمع آوری کے لیے متعدد حضرات کے ساتھ جنہیں شاہ جی یا ان کے متعلقین کا قرب حاصل تھا، رابطہ کیا۔جن میں سے خان غازی کابلی ،نواب زادہ نصر اللہ خان، عبداللہ ملک (لاہور) چودھری ثناءاللہ بھٹہ (لاہور) مسعود شورش ابن شورش کاشمیری، جانباز مرزا، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔مگر بقول نعیم آسی مرحوم کے "افسوس ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا''۔(6)

مگر ڈاکٹر زاہد منیر عامر ''مکاتیب امیر شریعت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مرتب نے زیادہ جستجو، تحقیق اور کاوش سے کام نہیں لیا کئی غیر مطبوعہ خطوط کا مشاہدہ راقم الحروف نے خود کیا (ہے)''۔(7)

عبداللہ ملک نعیم آسی کے نام 20 جنوری 1979ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''میرے پاس سے بہت سے مکتوبات تلاشیوں کے زمانوں میں ضائع ہو گئے''۔(8)

مولانا محمد علی کاندھلوی ایک زمانہ میں کاروان احرار کے راہی تھے۔نعیم آسی کے دریافت کرنے پر بتایا: ''میرے پاس شاہ صاحب کے تین مکتوبات تھے۔تقسیم کے موقع پر ضائع ہو گئے''۔(9)

شورش کاشمیری سی ایل کاوش کے نام اپنے ایک مکتوب جس میں انہوں نے اپنے نام اکابر ومشائخ کے مکتوبات کی ایک اجمالی فہرست درج کی ہے اور یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ یہ تمام مکاتیب ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔اس میں انہوں نے شاہ جی کے 12 مکاتیب کا ذکر کیا ہے''۔(10)

امیر شریعت کی صاحبزادی سیّدہ ام کفیل بخاری نے بھی اپنی کتاب ''سیدی وابی'' میں دوسرے باب کی صورت

میں امیر شریعت کے کل تئیس (23) خطوط زمانی ترتیب کے ساتھ شامل کئے ہیں۔ جو پہلی بار اسی کتاب میں شائع ہوئے۔

''پہلا خط حضرت امیر شریعت کا اپنی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کے نام ہے۔ انیس خطوط اپنی بیٹی (جنہیں وہ ''بیٹیا جی'' کہتے) کے نام ہیں۔ جن میں چودہ خطوط تحریک ختم نبوت 1953ء کے ایام اسیری میں سنٹرل جیل سکھر اور سنٹرل جیل لاہور سے تحریر کردہ ہیں۔ جب کہ پانچ خطوط 1954ء میں رہائی کے بعد کے ہیں۔ ایک خط اپنی اہلیہ کے نام، ایک منہ بولی بیٹی کے نام اور ایک سمدھی کے نام''۔ (11)

شاہ جی کے جیل سے لکھے گئے دستیاب خطوط میں شاہ جی کا اپنے چند دوستوں، ہم عصروں مجلس احرار کے کارکنوں اور اپنے فرزندان ذی وقار کے نام خطوط لکھنے اور بھیجنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ لیکن افسوس وہ مکتوبات قیمہ بھی میسر نہیں۔

شورش کاشمیری لکھتے ہیں: "ایک زمانہ میں قیدی کو تین ماہ بعد ایک خط لکھنے اور دو ماہ بعد ایک خط وصول نے کا حق ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا جبر تھا۔ نتیجتاً بہت سے قیدی بیرنگ خط لکھتے جو بیرونی سنسر شپ کی وجہ سے پکڑے جاتے اور ان کی سزا کا موجب ہوتے، شاہ جی نے اس کا توڑ پیدا کیا۔ پنڈت کرپا رام برہم چاری کے نام سے اپنے احباب کو دیناج پور جیل سے اکثر خط لکھتے رہے اور یہ نام سید عطاءاللہ شاہ بخاری کا ترجمہ یا بدل تھا''۔ (12)

پنڈت لفظ ہندی زبان میں اونچی ذات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے مسلمانوں کے ہاں سیّد، کرپا ہندی زبان میں عطا کے معنی میں مستعمل ہے، اور لفظ رام لفظ اللہ کے ہم معنی ہے، جبکہ برہم چاری کو وزن برابر کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اس طرح یہ نام ''سیّد عطاء اللہ بخاری'' کے ہم معنی ہوا۔

امیر شریعت بیشتر خطوط کے جوابات خود اپنے ہاتھ سے لکھتے۔ آخر عمر میں شدت علالت کے سبب ہاتھوں میں رعشہ کی وجہ سے اپنے صاحبزادوں سے املا کرواتے تھے۔ خط کی پیشانی پر سب سے پہلے دائیں جانب بالعموم مقامِ اقامت تحریر کرتے۔ اکثر و بیشتر دستیاب خطوط کی پیشانی پر سکھر جیل، سنٹرل جیل لاہور، بریلی، امرتسر، مظفر گڑھ سٹیشن، امرتسر گلوالی گیٹ، خان گڑھ، لاہور، سیالکوٹ، ملتان شہر کے الفاظ ملتے ہیں۔ کبھی گاڑی میں جواب لکھنے کی نوبت آتی تو سب سے اوپر دائیں جانب ''چلتی گاڑی'' کے الفاظ لکھتے۔ گویا خط کی ابتدا مقام سکونت واقامت سے کرتے۔ مقام اقامت کے نیچے تاریخ لکھتے کبھی کبھار یہ ترتیب الٹ بھی ہو جاتی۔ جیل سے لکھے ہوئے اکثر خطوط میں تاریخ کے بعد ان کا نام لکھا ہوا ملتا ہے۔

حضرت امیر شریعت مکتوب الیہ کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق مخاطب کرتے۔ القابات عموماً سادہ، مختصر، تملق اور خوشامد سے پاک ہوتے۔ آپ عموماً مکرمی و محترمی، عزیزی اور عزیزم جیسے القابات لاتے، قریبی احباب اور بڑوں کے لئے اپنائیت، محبت و عقیدت سے معمور القابات لاتے، جیسے برادرم، برادرِ محترم القام ماسٹر جی! میرے قاضی جی! میرے حضرت جی (مولانا حسین احمد مدنی کے لیے) وغیرہ۔ خط کے اختتام پر دعا گو، والسلام مع الاکرام، والدعا، جیسے الفاظ لکھتے۔ اپنے بڑوں کے نام لکھے خطوط کے آخر میں ''حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں'' یا محتاجِ دعا

تحریر فرماتے۔کبھی کبھی ''غریب الدیار'' یا فقیر لکھ کر دستخط ثبت فرماتے۔بعض خطوط میں دستخط کے بعد تاریخ درج ہے۔

شاہ جی کے سب سے تفصیلی اور آپ کی زندگی کے نشیب وفراز اور سوانحی خدوخال کے بعض اشاروں پر مشتمل خطوط ''سیدی وابی'' کے خطوط ہیں۔ان خطوط پر ام کفیل بخاری کی علمی ادبی اور معلوماتی حواشی وتعلیقات خاصے کی چیز ہے جس سے ان خطوط کے بعض مرموز مقامات اور اجمال پر مشتمل جملوں کی تفصیل اور بعض اہم واقعات کی طرف واضح اشارات ملتے ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ ان تمام مکتوبات کے عکس بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ان خطوط میں لطف ومحبت، رافت ومودت کے وہ تمام رنگ موجود ہیں جو کسی بڑے آدمی کے نجی خطوط میں ہونے چاہیے۔اس کے علاوہ قلبی کیفیات، گھریلو حالات، بیماریوں کا تذکرہ، بین السطور جیل کے ماحول اور جیل کی فضا پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔اور بھی بہت سے پہلوان خطوط کے آئینے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ان خطوط میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا تذکرہ بھی موجود ہے، جس کو عام طور پر اتنے بڑے لیڈر نہ اپنی تحریر میں ذکر کرتے ہیں اور نہ خاطر میں لاتے ہیں۔ لیکن شاہ جی کے اعلیٰ اخلاق اور متواضعانہ طبیعت کا اندازہ لگایئے کہ وہ اپنے خطوط میں گھر کے آس پاس کے غریب ہمسایوں کے حال احوال ان کی خیر وعافیت کی خبر گیری، ان کے گھر قرآن پڑھنے والے بچوں، محلّہ کے نمازیوں حتیٰ کہ گھر کام کاج کرنے والے خادم کو سلام مسنون کہتے ہیں۔

سکھر جیل سے لکھتے ہیں: ''جو شخص مجھے کو سلام کہے اسے تم بھی میری طرف سے سلام کہلا دو۔محسن میاں اور مومن جی اور پیر جی سلمہم اللہ تعالیٰ کو دعائیں اور دیدہ بوسیاں۔سکینہ کو، ازدہاری، (ازدہار۔محلّہ کی ایک بچی جو امیر شریعت کی اہلیہ سے قرآن پاک پڑھتی تھی)۔کریم بخش، محمد فاروق سب کو پیار، وسو کو پیار، اس کی ماں کو دعائیں، وسو کے بابا کو سلام''۔(13)

ایک اور پیار بھرا انداز سلام پہنچانے کا ملاحظہ کیجئے۔سکھر جیل سے اپنی بیٹی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: ''اپنے بھائیوں کو قرآن سنانے پر میری طرف سے مبارک باد کہو۔دعائیں پہنچاؤ اور دیدہ بوسی کرو۔اپنے چچا صاحب کو میری طرف سے سلام مسنون کہہ دینا اور بچی کے انتقال پر اظہار تعزیت کر دینا۔اپنی امی اور خالہ کو السلام علیکم کہہ دو اور امید ہے کہ آپ کی خالہ جی دعاؤں میں لگی رہتی ہوں گی۔سب بچوں کو دعائیں۔مسجد میں نمازیوں کو محسن کی معرفت سلام مسنون۔حافظین اور شاہ صاحب کو، خصوصاً دوا اور افضل (گھر کام کاج کرنے والا خادم) کو سلام مسنون۔باقی کل پرسان حال کو سلام بھجوا دینا''۔(14)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں: ''عزیزی افضل سلمہ کو السلام علیکم اور دعائیں''۔(15)

امیر شریعت کے خطوط میں ان کی شخصیت۔صداقت، اخلاص، شفقت ومحبت، عاجزی فروتنی وانکساری، خدا کی ذات پر مکمل اعتماد، عزم واستقامت نہ جانے کن کن صورتوں میں نظر آتی ہے۔کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

''میرے متعلق تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔کہ مسبب حقیقی کے سوا میں ساری کائنات سے کٹ چکا ہوں۔ میرے لیے دنیا میں، دنیا والوں سے کوئی امید، کوئی آرزو باقی نہیں۔اللہ بس باقی ہوس۔ہاں اللہ تعالیٰ قادر مطلق

ہیں۔ **یفعل ما یشاء** ہے شان اس کی **یحکم ما یرید** آن اس کی (16)

رہائی سے پہلے لاہور جیل سے اپنی بیٹی کے نام آخری خط میں بھی یہی بات کچھ اس انداز سے لکھتے ہیں: ''باقی **یفعل اللہ مایشاء**، ساری کائنات سے کٹ کر صرف اسی ایک ذات سے عقیدتاً جڑا ہوا ہوں اور بس۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ لوگ بھی اسی رنگ میں رہیں تو بہتر ہے''۔ (17)

سنٹرل جیل لاہور سے ایک خط میں لکھتے ہیں: ''میرے متعلق بے فکر رہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی رضا چاہیے۔ (18)

7 مئی 1953ء سکھر جیل سے لکھے ایک خط میں لکھتے ہیں: ''باقی میں تم لوگوں کے متعلق پریشان نہیں ہوتا۔ فطرت کے تقاضوں میں بے بسی ہوتی ہے۔ اسے پریشانی نہیں کہنا چاہیے''۔ (19)

انابت الی اللہ کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تم لوگوں کو اس کی توفیق بخشیں اور بس، باقی ہوس"۔ (20)

بچوں سے پیار و محبت کا ایک انداز ملاحظہ کیجئے۔ اپنی صاحبزادی کے نام ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ''بانو کو گود میں لے کر میرے منہ سے پیار کرو اور کہو یہ نانا ابا کا پیار ہے اور تم خود اس سے پیار لو اور کہلواؤ کہ یہ اباجی کا پیار ہے"۔ (21)

پاکستان کی آزادی کے چھ دن بعد 20 اگست 1947ء کے ایک مکتوب میں نذر محمد اور ملک اللہ دتہ کے نام اس وقت کے حالات کا مختصر الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ اس مکتوب میں اپنے حوالے سے ایک جگہ لکھتے ہیں: "سکھ قوم کی خباثت کو انگریز کی اور ہندو کی تائید حاصل ہے اور وہ تباہی مچا رہی ہے۔ اور نہ جانے کب تک یہ سلسلہ باقی رہے۔ میرا ایک مکان خاک میں مل چکا ہے۔ دوسرا جس میں میں رہتا تھا ابھی تک موجود ہے۔ میری زندگی کی ساری کمائی یعنی میری کتابیں اور سامانِ زندگی وہیں ہے، اللہ کے حوالے ہے، ابھی تک کوئی صورت سامان برآمد کرنے کی نظر نہیں آتی۔ پہلے بھی فقیر ہی تھا لیکن اب سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ہے"۔ (22)

عاجزی، فروتنی اور انکساری کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔ اپنی بیٹی کے نام لاہور جیل سے آخری خط میں جواب لکھنے میں تاخیر پر معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں آپ لوگوں سے معافی مانگتا ہوں کہ میری غفلت کی وجہ کر آپ سبھوں کو تکلیف پہنچی۔ خدا جانے کیوں میرے ہاتھ رک گئے۔ کچھ تو رہا ہونے والوں کی وجہ سے کہ ان کی زبانی خیریت معلوم ہو ہی جائے گی اور کچھ کیا، بس کچھ بھی نہیں۔ اپنی ہی تقصیر اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ معافی دیں"۔ (23)

''قاضی جی! میں تو جیسا نکما ہوں آپ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت صلاحیتیں عطا کی ہیں اور بہت لوگوں کو آپ سے فائدے پہنچتے رہتے ہیں''۔ (24)

اس نوعیت کا ایک اور پیراگراف آپ کے ایک مکتوب سے پیش ہے جس میں وہ اپنے ایک شعر جو آپ کے مجموعہ کلام "سواطع الالہام'' میں چھپا تھا کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام لکھتے ہیں: ''میرے وہم میں بھی ذم کا پہلو نہیں تھا۔ چونکہ آپ فرماتے ہیں شعر سے ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ آپ کے ارشاد کے بعد میں اس

شعر کی کوئی تاویل نہیں کرنا چاہتا اور استغفر اللہ پڑھتا ہوں۔ آپ بھی میرے حق میں دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے‘‘۔(25)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر خط کے اس اقتباس کے حوالے سے لکھتے ہیں:"اب شاہ جی کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ اتنا بڑا آدمی جس کے عقیدت مند بے شمار ہوں، اور جو اپنی للکار سے فرنگی ایسے سامراج کو للکار چکا ہو۔ جس کی ساری زندگی اسلام اور وطن کی خدمت و آزادی کے لیے صرف ہوئی ہو، کسی غرور ونخوت کا اظہار نہیں کرتا تاویل کی ضرورت نہیں تھی اگر وہ محض اپنے شعر کا پس منظر بیان کردیتے تو بھی حقیقت کی وضاحت ہوسکتی تھی مگر وہ کسی تعبیر وتشریح کے چکر میں پڑے بغیر صاف الفاظ میں استغفر اللہ پڑھتے ہیں اور دعا کے لیے التجا کرتے ہیں‘‘۔(26)

آپ کے خطوط میں سلاست، بے تکلفی، لطافت، بے ساختگی اور سادگی، اخلاص سوز وگداز لفظ لفظ سے عیاں وبیاں ہیں۔ بعض خطوط میں شگفتگی کی آمیزش ہے یہ انداز دیکھئے:

’’غذا میں صرف شوربہ، ایک پھلکا اور کچھ گوشت ہے، باقی صبح کو چائے، ایک دو ٹوسٹ، دو انڈے بس! یعنی بڑا پرہیزگار ہوگیا ہوں‘‘۔ (27)

جیل میں امیر شریعت کی بیماری اور شدید بیماری کی جھوٹی خبر گھر والوں کو پہنچی اسی جھوٹی خبر کے حوالے سے صاحبزادی کے استفسار کے جواب میں جیل سے ایک خط میں لکھتے ہیں:

’’ہاں تو میری صحت اچھی ہے اور بالکل اچھی ہے۔ جو خبر آپ کو ملی ہے، وہ ابھی تک ہمیں نہیں ملی۔ واللہ اعلم آپ کو کہاں سے ملی ہے؟‘‘۔(28)

مجید لاہوری معروف صحافی ادیب اور مزاح نگار تھے۔ کراچی سے ’’نمکدان‘‘ کے نام سے ہفت روزہ جاری کیا۔ تو شاہ جی سے نمکدان کے حوالے سے تاثرات لکھنے کی فرمائش کی۔ شاہ جی نے نمکدان کے حوالے سے مختصر تاثرات لکھ بھیجے۔ جو ہفت روزہ ’’نمکدان‘‘ کے 15 اکتوبر 1949ء کے شمارے میں ’’کان نمک‘‘ کے زیرعنوان شائع ہوئے۔ شاہ جی اس تاثراتی مکتوب میں ان کے موٹاپے پر چٹکی لیتے ہوئے لکھتے ہیں:"میں بہت خوش ہوں کہ آپ کا نمکدان فواحشات سے پاک ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے ترقی دے۔ ہم اسے گھر میں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ رہی آپ کی کراچی میں مکان نہ ملنے کی شکایت تو کراچی والوں نے کوئی ایسا مکان نہیں بنایا جس کے دروازے سے آپ داخل ہوسکیں"۔(29) جب شاہ جی نے اپنی خداداد زورِ خطابت سے انگریز کے کاسہ لیس پیروں اور گدی نشینان کو للکارا، لتاڑا اور طنزیہ جملے کسے۔ اس کے نتیجے میں ان کو اپنا مکروہ کاروبار ٹھپ ہوتا ہوا نظر آیا، تو انہوں نے جوشِ غضب سے آپ پر طرح طرح کے فتوے لگائے آپ کو کافر مشرک اور گستاخ کہا لیکن کوئی مائی کا لعل امیر شریعت کو فرنگی کی مخالفت کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔ مولانا ظہور احمد بگوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:’’رہ گیا کفر وایمان کا معاملہ تو میرے بھائی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فرنگی کی مخالفت کرنے کے بعد ایمان کہاں سلامت رہ سکتا ہے‘‘۔(30)

اپنی متحرک زندگی کا حوالے دیتے ہوئے بسلسلہ علاج قیامِ لاہور کے زمانہ (اکتوبر 1957ء) کے ایک مکتوب

میں اپنی صاحبزادی کے نام لکھتے ہیں: ''بٹیا جی میرا بستر تو کھلتا ہی نہ تھا۔ اب میری غفلتوں کی سزامل رہی ہے کہ بستر کھلا پڑا ہے''۔(31)

اسی نوعیت کا ایک اور پیراگراف بھی ملاحظہ کیجیے: ''تو بٹیا جی! جب ابا جی خواب میں مل لیتے ہیں۔ تو پھر سکون قلب حاصل ہونا چاہیے نہ کہ اداسی، پہلے بھی میں کونسا گھر ہی میں تم لوگوں کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ جیہا کِلے بدھا جیہا چوراں کھڑیا''۔(32)

جناب عبداللہ ملک کے نام شاہ جی کا ایک مکتوب آپ کے بہترین خطوط میں شمار ہوتا ہے۔ نعیم آسی مرحوم اس خط کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''شاہ جی کے اس خط کو' سخنے چند بہ نژادنو' کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ شاہ جی کا بہترین خط ہے''۔(33)

لیجیئے شاہ جی کا یہ پورا خط پیش ہے:

عزیزم عبداللہ ملک سلمہ خوش رہو، جیتے رہو، آباد رہو اور شاد رہو۔ زندگی کے شب و روز اس طرح بسر ہوتے ہیں۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے کہ اس کے لیے اضطراب ہو؟ نہ بیتے ہوئے دنوں کا افسوس ہے اور نہ حال سے کوئی شکوہ۔ مستقبل کی فکر ہی کیا۔ جو لوگ مستقبل کے لیے جی رہے ہیں ان سے پوچھئے۔ اپنا تو بس چل چلاؤ ہے۔ گور کنارے بیٹھا ہوں، دیکھیے کب بلاوا آجائے۔ اب اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رہا کہ اپنے اللہ سے صبح شام بھیک مانگتا ہوں۔ وہی پالنہار ہے۔ وہی آخری سہارا ہے۔ اس کے ہاں عفو درگزر کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارا خدا ہمارا خدا ہے، سزا گناہوں کی دے چکا ہے، جزا پشیمانی کی دے گا۔ تمہارے لیے دن رات دعا کرتا ہوں۔ اب چمن اور اس کی شاخیں، تم نوجوانوں کی باغبانی کے سپرد۔ جب تک جیو وضع داری سے جیو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصلِ زندگانی ہے۔

والسلام دعا

عطاء اللہ شاہ بخاری (34)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں: ''اس خط کے انداز بیاں سے جہاں شاہ جی کی تحریر کے حسن کا پتہ چلتا ہے وہاں اس آزردگی کا بھی احساس ہوتا ہے جس سے انہیں آخر عمر میں پالا پڑا ''مستقبل کی فکر ہی کیا'' اور ''گور کنارے بیٹھا ہوں دیکھیے کب بلاوا آجائے'' ایسے فقرات ہیں جن کا طویل پس منظر ہے اور یہ اقوال ان کیفیات کی غمازی کرتے ہیں جن سے شاہ جی کو گزرنا پڑا''۔(35)

شورش کاشمیری کے نام شاہ جی کا ایک خط جس کے سطر سطر سے شاہ جی کی وسیع الظرفی، اعلیٰ اخلاق، شرافت ونجابت مترشح ہوتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

''آزاد'' میں تاثیر سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یا لکھا جارہا ہے وہ قلم کی عریانی ہے تاثیر چونکہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں لکھ رہے ہیں اور فرضی نام سے لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا باتیں بھی ان کی فرضی ہیں۔ سچ ہوتا تو نقاب نہ اوڑھتے۔ بہرحال انہیں لکھنے دو۔ ضرور ان کے جی میں کوئی چیز ہوگی۔ تم اپنے قلم یا زبان کے لیے اللہ و رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے جواب دہ ہو۔ دنیا نے کس سے اب تک انصاف کیا ہے کہ تم سے کرے گی۔

ع سبوا پنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

جو شخص گالی دے اس کا جواب گالی نہیں دعا ہے کہ اسوہ حسنہ ہے۔ ان لوگوں کے متعلق یہی سوچ کر صبر کرو کہ بیمار ہیں۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر افترا باندھا اور حضور کا دل دکھایا۔ صفائی کے کٹہرے میں قرآن کھڑا نہ ہوتا تو ان کا فتنہ چہرہ نبوت کو غمگین کر چکا تھا۔ آخر مفتری خائب و خاسر ہو گئے۔ تم کیا اور ہم کیا؟ جب لوگ بہتان باندھنے، افترا گھڑنے اور گالی بکنے پر آ جائیں تو اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دو۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ آئندہ تاثیر سے متعلق کوئی تحریر نہ آئے۔ میری خواہش بھی ہے اور ہدایت بھی۔ قلم و زبان تمہارے نہیں خدا کی امانت ہے۔ جو شخص ان میں خیانت کرتا ہے وہ اللہ کی خوشنودی سے محروم ہو جاتا ہے۔ گھر میں سلام کہنا۔ بچی سلمہ کو دعا''۔

دعا گو عطاء اللہ شاہ بخاری

خان گڑھ 45-4-27 (36)

آپ خط ضرورت کے تحت تحریر فرماتے اس لیے آپ کے خطوط (لوازمات خط کے علاوہ) ہر طرح کی ملمع سازی، تکلف اور طوالت سے پاک مدعا نگاری اور مقصدیت تک ہی محدود ہیں۔ بعض خطوط میں تو مدعا کے علاوہ ایک لفظ بھی زائد نہیں۔ مدعا نگاری کی اس خوبی سے متصف ایک خط جس میں شوخی و شگفتگی کی بھی آمیزش ہے ملاحظہ کیجیے۔

عزیزم مولوی احمد دین ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

''گھی لے کر پہنچو، جوتے تیار ہیں۔''

والسلام

عطاء اللہ شاہ بخاری (37)

جب سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب تھے۔ ملتان کا دورہ کیا اور شاہ جی سے ملاقات کیے بغیر چلے گئے۔ ان دنوں شاہ جی بیمار تھے۔ واپسی کے بعد حیدرآباد سندھ سے شاہ جی کے نام عیادت کا خط لکھا، شاہ جی نے جواب میں ارتجالاً ایک شعر کہا اور یہی شعر عبدالرب نشتر کے خط کے جواب میں بطور جواب لکھ بھیجا۔ ملاحظہ فرمائیں کتنا خوب صورت جامع اور صرف مدعا پر مشتمل جواب ہے جس سے محبت آمیز شکوہ بھی مترشح ہو رہا ہے۔

نوشتی نامہ اے از حیدرآباد بملتان جانِ زارم راندیدی (38)

ایک سفارشی خط کا یہ نادر، البیلا اور سچائی پر مشتمل انداز کتنا پیارا ہے۔

''ہر چند فقیر کو آپ سے کوئی سابقہ نیاز تو حاصل نہیں لیکن ایک نوجوان کی ضرورت کے احساس سے یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ اگر یہ کام آپ کے ہاتھوں ہو گیا تو گویا یہ کام آپ نہیں کریں گے بلکہ خدا کرے گا۔ اور اگر خدا کو منظور نہ ہوا تو ظاہر ہے یہ کام آپ نہیں کر سکتے''۔ (39)

پاکستان کے حصول اور اس کے بعد کے زمانے میں بھی آپ کا موقف بڑا واضح اور روز روشن کی طرح عیاں اور بیّن ہے۔ 24/دسمبر 1947ء کے ایک مکتوب میں ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام لکھتے ہیں:

''میری آخری رائے اب یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں۔ اور اس کے لیے عملی قدم اٹھانا چاہیے۔ مجلس احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اور خلاف شرع کام سے اجتناب''۔ (40)

مجھے ان کے خطوط میں ان کی شخصیت کا جو پہلو سب سے زیادہ واضح اور روشن نظر آیا وہ آپ کی عاجزی، انکساری وفروتنی اور خالق کائنات پر کامل یقین وایمان ہے۔ آپ کے مکاتیب سادہ، سلیس، طوالت سے محفوظ بے ساختہ اور دھیمے انداز کے چھوٹے چھوٹے جملوں سے مرکب ہیں۔ اور یہی خطوط کا حسن ہے۔ پروفیسر خورشید الاسلام لکھتے ہیں:

''خط حسن اتفاق کا نام ہے اور حسن اتفاق ہی سے یہ ادب کی ایک صنف ہے، اچھے خط ادبی کارنامہ ہوتے ہیں خط چھوٹی چھوٹی باتوں سے بنے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی باتوں ہی میں دنیا کا لطف ہے''۔ (41)

مصادر و مراجع:

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ڈاکٹر شاداب تبسم، اردو مکتوب نگاری سر سید اور ان کے رفقا کے خصوصی حوالے سے

2۔ بگوی، انوار احمد، تذکار بگویہ طبع 2014 جلد سوم ص116۔

3۔ شورش کاشمیری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔۔۔ سوانح و افکار، لاہور، مطبوعات چٹان، 88 میکلوڈ روڈ طبع اگست 2006 ص64۔

4۔ خان غازی کابلی، حیات بخاری، احرار فاونڈیشن پاکستان، طبع سوم 2003 ص96۔

5۔ أیضاً ص100۔

6۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ملتان، بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی، 2013، ص26۔

7۔ چٹان ہفت روزہ، 4 تا 11 اکتوبر 1982۔

8۔ نعیم آسی، مکاتیب امیر شریعت، سیالکوٹ، مسلم اکادمی مجاہد روڈ طبع اول دسمبر 1981، ص26۔

9۔ أیضاً ص28۔ 10۔ چٹان ہفت روزہ، لاہور، شورش کاشمیری نمبر، یکم نومبر 1976 ص31۔

11۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ملتان، بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی، 2013، ص۔47۔

12۔ شورش کاشمیری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔۔۔ سوانح و افکار، ص86۔

13۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ملتان، بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی، 2013، ص223۔

14۔ أیضاً ص261۔ 15۔ أیضاً ص322۔ 16۔ أیضاً ص269۔

17۔ أیضاً ص288۔ 18۔ أیضاً ص283۔ 19۔ أیضاً ص231۔

20۔ أیضاً، 30 مارچ 1953 بیٹی کے نام سکھر جیل سے خط۔ 21۔ أیضاً ص321۔

22۔ جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، لاہور، مکتبہ تبصرہ، 1976، ص 308۔309۔
23۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ص 288۔
24۔ نورالحق قریشی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص: 505 قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام مکتوب۔
25۔ جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص 421۔
26۔ نقیب ختم نبوت، ماہنامہ، امیر شریعت نمبر، جنوری 1992 جلد اول، ص 617۔
27۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ص 298۔ 28۔ أیضاً، ص 288۔
29۔ أیضاً، ص 115۔ 30۔ بگوی، انوار احمد، تذکار بگویہ، ص 116۔
31۔ سیدی وابی، ص 302۔ 32۔ أیضاً، ص 215 سکھر جیل سے بیٹی کے نام خط
33۔ نعیم آسی، مکاتیب امیر شریعت، سیالکوٹ، مسلم اکادمی مجاہد روڈ، طبع اول دسمبر 1981، ص 774۔"
34۔ ہفت روزہ چٹان، 15 جنوری، 1962 ص 32
35۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت، امیر شریعت نمبر، ص: 618۔ 36۔ ہفت روزہ "چٹان 8" اکتوبر 1973۔
37۔ اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا احمد الدین صاحب (موضع میاں علی) ضلع شیخوپورہ نے بتایا کہ ہم ایک دفعہ شاہ جی کی خدمت میں ملتان حاضر ہوئے، وہاں ایک شخص کا ملتانی جوتا بہت پسند آیا۔ شاہ جی نے فرمایا ایسے جوتے بنانے والا ہمارے قریب ہی رہتا ہے۔ ہماری خواہش پر شاہ جی نے اسے بلوا بھیجا۔ ہم نے پاں کا ماپ دے دیا۔ دوسرے دن جب واپس ہونے لگے تو ہم نے عرض کیا شاہ جی! آج کل خالص گھی ملنا دشوار ہے۔ ہم آپ کے لیے جب آئے تو گھر کا گھی لیتے آئیں گے۔ شاہ جی نے منظور کرلیا۔ کچھ دنوں بعد شاہ جی کا خط ملا۔ (سید امین گیلانی، بخاری کی باتیں، لاہور، ادارہ تالیفات ختم نبوت، ص 11)
38۔ ام کفیل بخاری، سیدی وابی، ص 155 بتغیر یسیر 39۔ اردو ڈائجسٹ دسمبر 1983۔
40۔ جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص 311۔312۔
41۔ پروفیسر خورشید الاسلام، تنقیدیں، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاس۔ طبع 1977، ص 9

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

رفیع الدین رفیع چشتی نظامی

ایک من گھڑت واقعے کی وضاحت

پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی رحمہ اللہ کا ایک بیان یوٹیوب اور فیس بک پہ چل رہا ہے جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے متعلق حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کے دعائیہ کلمات اور پھر شاہ جی کی آخری زندگی کے ایک من گھڑت واقعہ کو عجیب رنگسازی کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ پیر نصیر الدین نصیر ماشاء اللہ علمی آدمی تھے مگر نا معلوم کس تعصب کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ضرور ان کی خدمت میں پیش ہو کر وضاحت کرتے۔

پیر نصیر الدین نصیر رحمہ اللہ نے طلاقت لسانی، غلط بیانی اور مسلکی تعصب کا اظہار فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنی ذاتی رائے کو شورش کاشمیری مرحوم سے منسوب کر کے اپنے مقام و منصب اور عالی نسبت کا خیال نہیں کیا جو انہیں زیبا نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا شورش کاشمیری مرحوم نے یہ بات صرف پیر نصیر الدین نصیر مرحوم سے ہی کہی تھی۔ انہوں نے ساری زندگی اسی سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ گزاری جو بقول پیر نصیر الدین مرحوم کے ایمان سے محروم تھے؟

سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، پیر صاحب کی ذات سے یہ بات منسوب کرنا کہ انہوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو خطابت دے دی لیکن ایمان نہ دیا خود حضرت پیر صاحب کی شان کے منافی ہے۔ سوال یہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت بغیر ایمان کے ہی عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی؟ شورش کاشمیری مرحوم نے یہ بات تو خوب لکھی اور بیان کی کہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمہ اللہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے فرمایا:

''شاہ جی! قدرت نے آپ کو لسان پیدا کیا ہے۔ اس میدان میں آپ کبھی ہیٹے نہیں رہیں گے'' وہ یہ بات بھی لکھ دیتے کہ: ''عطاء اللہ شاہ بخاری نے پیر صاحب سے زبان و خطابت مانگی، وہ مل گئی۔ ایمان نہیں مانگا، وہ نہ ملا'' اس کی بجائے شورش نے پیر نصیر الدین صاحب کے کان میں چپکے سے یہ بات کہ دی۔ اس سے خود شورش کی کیا حیثیت رہ گئی؟

سوائے افسوس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اب پیر نصیر الدین حیات ہیں نہ شورش۔ اے کاش! وہ یہ بات شورش کی زندگی میں کہتے تو ان سے جواب بھی سن لیتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت پیر صاحب کی خدمت میں اصلاح کے لیے حاضر ہوئے اور خوب فیض پایا، ایمان تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، مزید دعائیں لینے گئے تھے وہ بھی مل گئیں۔ الحمدللہ

مفکر احرار چوہدری افضل حق رحمہ اللہ

تاریخ احرار

(دسویں قسط)

مہاتما گاندھی کا اعلان:

مہاتما گاندھی بڑے دھڑلے کا آدمی ہے جس کے برخلاف ہو جائے اس کو خاک میں ملا کر چھوڑتا ہے۔ اہنسا کا قائل ہونے کے باوجود سیاسیات میں وہ رحم اور درگزر نہیں جانتا۔ وہ ڈھیل اسی وقت تک دیتا ہے جب اس کی اپنی تیاری مکمل نہ ہوئی ہو۔ باتیں میٹھی میٹھی اور دھیرے دھیرے کرتا جاتا ہے اور سج سج آنکھ بچا کر اپنا ہتھیار سنبھالتا جاتا ہے اور بغیر للکارے اس زور اور قوت سے حملہ آور ہوتا ہے کہ مخالف بے خبری میں مارا جاتا ہے۔ ہندوستان کی یہ عظیم شخصیت برمحل وار کرنا جانتی ہے۔ جب ہم نے علیحدہ انتخاب کی قرارداد منظور کی تو مہاتما گاندھی خاموش رہے۔ لندن میں آپ نے سنا کہ احرار کشمیر پر چڑھ دوڑے رئیس ہندو اور احرار مسلمان تھے۔ ہماری تحریک کو آسانی سے فرقہ وارانہ رنگ دیا جاسکتا تھا مگر اس مرد دانا نے اس بات سے پہلو بچایا، لیکن اعلان کیا کہ یہ تحریک انگریز کی تقویت کے لیے شروع کی گئی ہے۔ اس زمانے میں اس داؤ سے کوئی بچتا تھا؟ اس داؤ کا گھاؤ گہرا ہوا۔ سب ہندو، مسلمان کانگریسی ہمیں شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے جو تھوڑے بہت کانگرسی ہم میں شامل تھے وہ اداس ہو کر اباسیاں لینے لگے۔ گجرات کے ایک عزیز نے تو اعلان کر دیا کہ میں نے تحریک کشمیر میں شریک ہو کر ہمالیہ پہاڑ کے برابر غلطی کی ہے۔ اس کا تعلق گہرے رنگ کے کانگرسیوں سے تھا۔ اس کا یہ اعلان رنگ لایا، گجرات کے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلے پست ہو گئے۔ بعض کانگرسی بزرگوں نے علانیہ اپنے زیر اثر لوگوں کو ورغلایا کہ وہ معافی مانگ کر جیلوں سے باہر آجائیں۔ غرض کچھ دنوں عجب انتشار سا رہا۔ سیالکوٹ کا کانگرسی طبقہ الگ جان کا عذاب اور دماغ کی پریشانی کا باعث بنا، باوجود اس کے تحریک شہر سے نکل کر گاؤں میں پھیلتی گئی۔ کانگرسی مسلمان کا ذہن بے حد متشکک اور متشدد ہے۔ ۱۹۳۵ء سے پہلے لوگوں کو سی۔ آئی۔ ڈی اور انگریز کے ایجنٹ کا الزام لگانا عام تھا۔ کانگرسی مسلمان اپنے دعوے اور عمل میں مخلص ہوتے ہیں مگر وہ دوسروں کو ہمیشہ بدعقل اور دوسروں کا آلہ کار سمجھتے ہیں۔ باوجود اس امر کے کہ گاندھی جی اور مالوی جی نے نہرو رپورٹ کے خلاف سکھوں کو حوصلہ دلایا، رپورٹ کو غرقِ راوی کیا، سارے ہندو پریس نے سکھوں کے رویہ کی تعریف کی، مگر مسلمان کانگرسی بھائیوں کا غصہ احرار پر ہے کہ انھوں نے کیوں علیحدہ انتخاب کا ریزولیوشن منظور کیا۔ گویا ہندوستان کی ہر قوم نہرو رپورٹ کے حق میں تھی، صرف احرار نے نہ مان کر آزادی ہند کے حصول میں رکاوٹ ڈالی۔ پھر ان کانگرسی احباب نے اور غضب ڈھایا اس دروغ بے فروغ کو دنیا میں اچھالا کہ احرار نے گلگت انگریزوں کو دلایا۔ کئی سادہ مزاج اس سفید جھوٹ کو سچ سمجھ کر پیٹ پکڑے آئے کہ بھیا احرار والو کہیں یہ غضب نہ کرنا کہ گلگت انگریزوں کو دلوا دو۔ میں نے کہا کہ حضرت یہ گلگت ہے کہاں؟ بولے کہ کشمیر ہی میں ہوگا۔ تو پھر میں نے کہا

بتائیے کہ کشمیر آزاد حکومت ہے؟ بولے نہیں انگریزوں کے ماتحت ہے۔ تو میں نے کہا جب ساری ریاست ہی انگریزوں کے ماتحت ہے تو اس کا حصہ بھی انگریزوں کے ماتحت ہے، اس کے لینے دینے کا سوال کیا ہے؟ جھوٹی خبروں کے اصرار اور تکرار کو بھی پروپیگنڈے کے فن کا اہم جزو قیاس کیا جاتا ہے۔ انسان کچھ وقت کے لیے دروغ بے فروغ کو بھی سچائی کی جان سمجھنے لگ جاتا ہے۔ بعض وقت تو دوسروں کے کہے بے وقوف بن کر اپنی پگڑی میں ہاتھی ٹٹولنے لگ جاتا ہے۔ کیونکہ معتبر راوی کہہ دیتا ہے کہ بھلے مانس تیری پگڑی میں ہاتھی ہے۔ کانگریسی مسلمانوں نے بھی بعض کے کان میں یہی پھونک دیا کہ بھیا مسلمانو احرار انگریز کے ایجنٹ ہیں، یہ ریاست سے گلگت دلا رہے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد گویا ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ ہوش میں آ گئے۔ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ اس گروہ کا بھی کام تھا جو خلافت اور کانگرس میں ہمارا سردار اور طبقۂ اولیٰ تھا۔ جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ احرار کا یوں یک بیک فروغ انھیں ایک آنکھ نہ بھایا۔ یہی گروہ شہید گنج میں کھل کھیلا۔ انھیں بار بار غصہ آتا تھا کہ یہ غریبوں کا حقیر گروہ کیا سے کیا بنتا جا رہا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید:

علماء کا ایک حصہ امراء کے زیر اثر سرمایہ دارانہ نظام کا ایجنٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ کچھ بزرگ باقی ہیں جو روح اسلام سے سرشار ہیں۔ ان میں سے حضرت مفتی صاحب اور مولانا احمد سعید کو احرار نے ہمیشہ عزت اور محبت کی نظر سے دیکھا ہے۔ جس کے لیے دل میں محبت ہو، انسان چاہتا ہے کہ دنیا کی سب عزتیں اسی کو ملیں۔ کئی اونچے طبقے کے احباب اس موقعہ پر حکومت اور احرار کے درمیان صلح کا سلسلہ جاری کرنا چاہتے تھے۔ ریاستی حکام اور انگریزی حکومت بہت بیتاب تھی کہ یہ طوفان ذرا تھم جائے۔ حکومت کا منشاء معلوم کر کے دہلی اور لاہور کے چند خان بہادروں نے درمیان داری شروع کر دی۔ طرفین ایک دوسرے کے دم خم کا اندازہ لگانے لگے، ریاست تو دم توڑ چکی تھی۔ کون بے وقوف ہے جو احرار کو انگریزی حکومت کا مدمقابل سمجھے مگر جو عاشق کسی کے سنگ آستاں پر سر پھوڑنے کا ارادہ کر لے اس کا کوئی کیا بگاڑے؟ حکومت کا مقابلہ گو ہمارے بس کی بات نہ ہو مگر:

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد

کے مصداق پرامن جنگ کو جاری رکھنا احرار کا مرغوب کھیل ہے۔ حکومتیں ہمیشہ کنواری مریم کی طرح اپنے دامن پر بدنامی کے دھبے سے ڈرا کرتی ہیں۔ ہماری قربانیاں مسلمان کے لیے سرخ روئی کا سامان تھیں لیکن گورنمنٹ کے لیے بدنامی کا داغ۔ اس لیے انگریزی حکومت ریاست سے زیادہ پریشان تھی۔ اس اصول سیاست کے علاوہ کانگرس کی سول نافرمانی کے مقابلے میں احرار کی تحریک زیادہ انقلابی تھی۔ اور زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی تھی۔ کانگرس کی ’’سوسنار‘‘ کی کے مقابلے میں احرار کی سول نافرمانی ’’ایک لوہار‘‘ کی معلوم ہوئی۔

انگریزی حکام کو اس آغاز کا انجام سمجھ نہ آتا تھا۔ اگر کسی نے احرار کی اس تحریک کو نہیں دیکھا۔ تو ۴۵/ ۵۰ ہزار انسانوں کا ایک صوبے میں زنداں نشین ہونے کا تصور کر کے قیاس کر لے کہ مسلمانوں کے جوش اور عوام کی طبیعت کا کیا حال ہوگا؟ کانگرس کی کسی سول نافرمانی میں ۸۰ ہزار سے زیادہ ہندو اور مسلمان اور دوسری اقوام مل کر ایک سال

تک قید نہیں ہوئے۔ پنجاب میں تین ماہ کے اندر احرار نے ۵۰ ہزار نفوس کو جیل بھجوا دیا۔ غرض حکومت انگریزی بے تاب تھی کہ احرار سے کسی طرح گلوخلاصی کرائے۔ ہم نے اس عزت اور محبت کی بنا پر جو ہمارے دل میں مفتی صاحب اور مولانا کی تھی اپنی طرف سے درمیان وار پسند کیا۔ ہماری نظر میں ان کی درمیان داری اس لیے پسندیدہ تھی کہ وہ اقتصادی لحاظ سے احرار کے درجے میں تھے۔ طبقہ اولیٰ اور حکام نے ان کی درمیان داری کو پسند تو نہ کیا، مگر جو چیز احرار کو پسند تھی وہ اس کو رد کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ حالات کی مجبوری کی بنا پر حکومت اور ریاست نے ان ہی دو اصحاب کے ذریعے بات چیت کرنا منظور کرلیا۔ چنانچہ مفتی صاحب اور مولانا صاحب لاہور آ گئے، خط کتابت شروع ہوگئی۔ زمانہ انگریزی کا، علماء اس زبان سے ناواقف، عجب پیچ پڑا مفتی صاحب اردو میں لکھتے تھے، ریاست پنجاب گورنمنٹ کی وساطت سے انگریزی میں جواب دیتی تھی۔

غرض صلح کی مبادیات طے کرنے میں ایک مہینہ گزر گیا۔ اتنے میں کانگرس کی ستیہ گرہ شروع ہوگئی صحیح الفاظ میں گورنمنٹ نے کانگرس کو ستیہ گرہ پر مجبور کر دیا۔ لارڈ ارون جا چکا تھا، ہندوستان کا انگریز عنصر گاندھی ارون صلح کو سلطنت کے وقار کے خلاف سمجھتا تھا۔ نیا وائسرائے ان کے ڈھب پر آ گیا۔ حکومت نے نہ صرف سختی کا آغاز کیا بلکہ کانگرس کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا کانگرس بڑی بددلی سے ۲ سال کے بعد سول نافرمانی پر مجبور ہوئی۔ جمعیت العلماء کانگرس کے ساتھ پورے طور پر وابستہ تھی، مفتی صاحب اور مولانا صاحب جمعیت العلماء کے صدر اور سیکرٹری تھے۔ صلح کا مشن ابھی ادھورا ہی تھا کہ انھوں نے لاہور کے ایک جلسے میں کانگرس کی جنگ میں پوری شمولیت کا اعلان کر دیا۔ حکومت پنجاب اور حکومت ہند کی نظر برابر تحریک احرار اور ان بزرگان کی طرف لگی ہوئی تھی۔ امراء کو یہ موقعہ مل گیا، وہ پاؤں جلی بلی کی طرح لاہور اور دہلی بھاگے بھاگے پھرے۔ حکومت کو ڈرایا کہ احرار سے صلح اور وہ بھی جمعیت العلماء کی معرفت سانپوں کی دودھ سے پرورش کرنا ہے۔ اس سے تو کانگرس مضبوط ہوگی۔ جب صلح کے سلسلے کے دوران میں مولانا اور مفتی صاحب نے نعرۂ جنگ بلند کر دیا ہے تو حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کرے۔ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے بجائے احرار کا سر کچل دے۔ یہ غریب لوگ سر پر چڑھے تو آپ کا ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان دنوں مرزا بشیر محمود قادیانی بے حد سرگرم ہوگیا۔ ایسا موقعہ مخالف کو مل جائے تو وار کرنے سے کب چوکتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ پنجاب گورنمنٹ کا رویہ سخت ہوگیا ہے۔ سیاسیات میں معمولی سا واقعہ کتنی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دوران میں براہ راست مولانا مظہر علی سے حکومت کے بعض حامیوں نے سلسلہ جنبانی کی، لیکن مولانا کا رویہ سخت تھا۔ وہ ان دنوں جموں جیل میں تھے۔ مجھے دوست دشمن (ٹھنڈے) کا فوری مزاج کا بے ضرر شخص سمجھتے ہیں۔ صلح کی گفتگو میں بعض اوقات ایسے لوگوں کے ذریعے مفید نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔ قرائن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ حکومت مفتی صاحب اور مولانا صاحب کا کام چلتے دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ احرار ورکنگ کمیٹی میں سے ایک میں اکیلا باہر تھا میں دونوں بزرگوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہتا تھا۔ جب باتوں باتوں میں حکومت نے میری درمیان داری کی حوصلہ افزائی کرنا چاہی تو میں نے کہا کہ مجھے سلسلہ صلح آغاز کرنے کا پارٹی نے کوئی حق نہیں دیا۔ کہا گیا کہ تم جب چاہو جا کر پارٹی کے سرداروں سے مل سکتے ہو۔ میں نے بیماری کا عذر کر کے مختلف جیلوں میں جانے

سے انکار کیا۔ جواب ملا کہ ورکنگ کمیٹی کے سارے ممبروں کو لاہور میں جمع کر دیا جائے گا۔ مگر ان دو بزرگوں کے بغیر میں نے کسی سے ملنے کی حامی نہ بھری۔ سیاسی گفتگو میں اشارات سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ آنکھوں کی گردش اور چہرے کے شکن دل کی کیفیتوں کو بے نقاب کر دیتے ہیں جن کا بغور مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ الفاظ کی بجائے لفظوں کی روح سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کھل کر مفتی صاحب اور مولانا صاحب کے خلاف کبھی کچھ نہ کہا، لیکن اشاراتی گفتگو صاف گوئی سے زیادہ بلیغ تھی۔

سر سکندر حیات خان ان دنوں حکومت پنجاب کے ممبر تھے۔ وہ اور سر جافرے گورنر پنجاب گورنمنٹ ہند کے نمائندے تھے۔ وہ اس سلسلہ صلح کے نگران تھے۔ سر سکندر حیات کا رویہ صلح کے بارے میں قدرتی طور پر ہمدردانہ تھا۔ اگر چہ وہ بھی مفتی صاحب اور مولانا صاحب کی کانگرسی ہمدردیوں کے اعلان پر خوش نہ تھے مگر میری مشکلات کو سمجھتے تھے۔ سب سے اہم بات یہ ہوگئی تھی کہ اب اچانک ریاست کے حالات بہت بگڑ گئے۔ احرار کے شاندار اقدام نے ریاستی مسلمانوں کی خوابیدہ طاقتوں کو بیدار کر دیا تھا۔ ریاست کے اندر ایک عام اشتعال پایا جاتا تھا۔ صلح کا جلد ہو جانا ضروری تھا۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ کہیں بغاوت کی آگ اچانک نہ بھڑک اٹھے۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب اور مولانا صاحب کو شامل صلح رہنے پر بھی اب زیادہ اعتراض نہ تھا۔ امراء کے لیے غریب کی قیادت اور اس کا عزیز جہاں ہونا بے حد سوہانِ روح ہوتے ہیں۔ جو ملا اس نے یہی سمجھا یا ان مولانا لوگوں کو زیادہ بڑھانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کہ انگریزی خواں طبقے کو عربی کے علماء کی رہنمائی پر اعتراض ہو، جو علی گڑھ اور دیوبند کی تحریکات کا قدرتی نتیجہ ہے۔ مگر میں نے ساتھ ساتھ ان کے اعتراض کے پردے میں طبقاتی نفرت کو بھی محسوس کیا۔ چونکہ میں خود امراء میں سے نہ تھا اس لیے کسی نے بات کھل کر نہ کہی کہ موری کی اینٹ چوبارے پر نہ لگاؤ اور غریب کا درجہ اتنا نہ بڑھاؤ کہ وہ باوجود غریب ہونے کے امور ریاست وحکومت میں جگہ پالے۔ جو امراء کے خیال میں ان حضرات میں کمزوری تھی وہی ہمارے نزدیک ان کی محبوبیت تھی۔ سچ تو ہے کہ ہم ان کو آگے بڑھانا اسی لیے چاہتے تھے کہ وہ احرار جیسے غریب تھے۔ بڑے لوگ موٹر میں بیٹھے ہوا سے باتیں کرتے بھی جا رہے ہوں تو غریب دور کھڑا سلام کے لیے جھک جاتا ہے۔ غریب کی عزت اور اس کی حوصلہ افزائی پیغمبری کا جزو ہے۔ اسی لیے پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لیے پیدل کو سلام کرنا ضروری قرار دیا ہے لیکن عوام کے مذہب کا ٹاٹ الٹ کر سرکار دوعالم صلی اللہ ولیہ وسلم کی وفات ہونے کے تیس برس بعد سرمایہ داری اور قیصریت کو رواج دیا گیا(۱)۔ اب غریب کا امیر کو پیدل کا سوار کو سلام کرنا ضروری قرار پا گیا۔ غریب نواز اسلام کی کیا پوچھ ہے؟ جو کسی طرح چاندی سونے کے سکے جمع کر لے اس کا سکہ چلتا ہے۔ اسے فی زمانہ بنی نوع انسانی سے ہمدردی کے بجائے حکومت کا حق مل جاتا ہے۔

میر پور میں بغاوت:

گورنمنٹ پنجاب نے ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو لاہور میں جمع کرنے کے احکام جاری کر دیئے مگر علاقہ میر پور کے ریاستی علاقے میں پرجوش پہاڑی لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ موت کھل کھیلی، تھانے چوکیاں جلادی گئیں۔ ہندو اخبارات کا قول ہے کہ ہندوؤں کے مکانات لوٹے گئے اور اس کے بعد شعلوں کی نذر ہوئے۔

خبریں مبالغہ آمیز تھیں۔ ریاست کے ہندو حکام کا مسلمانوں پر تشدد کا یہ ردِ عمل تھا، مگر ریاست کو اصرار تھا کہ یہ آگ احرار کی لگائی ہوئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے جتھے اس علاقے میں ضرور جاتے تھے، مگر سول نافرمانی کے لیے نہ کہ تشدد کو ہوا دینے کے لیے۔ مگر ریاست کا الزام کوئی یونہی کیسے ٹالے؟

ورکنگ کمیٹی میں سے صرف میں ہی ایک شخص جیل سے باہر تھا۔ حکام کو بتایا گیا کہ میں ہی بیٹھا تار ہلا رہا ہوں۔ تجویز یہ ہوئی کہ مجھے اور آخری جتھے کے آدمیوں کو بغاوت کی آگ بھڑکانے کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے سر جافرے گورنر پنجاب ایک شریف انگریز تھا۔ اس نے کہا کہ گرفتاریوں سے قبل واقعہ کی تحقیق کی جائے کہ یہ کام احرار کا ہے بھی یا نہیں۔ خدا کی نظر عنایت ہو تو دشمن دوست بن جاتے ہیں، مخالف موافق ہو کر دوش بدوش لڑنے لگتے ہیں۔ یہ صحیح خبر مجھے ایسے ذمہ دار شخص نے دی جس سے یہ توقع نہ تھی۔ اس نے مجھے رات کے ڈیڑھ بجے جگایا۔ اطلاع کے ساتھ یہ مشورہ بھی دیا کہ اردو روزنامہ احرار کے ساتھ انگریزی صفحہ زیادہ کر لیا جائے۔ تا کہ انگریزی افسران کو پارٹی کے پرامن مقاصد کا علم ہو ورنہ یہ تحقیقات آپ کی ذات تک محدود نہ رہے گی۔ ہندوستان کی تمام ریاستوں کا انگریزوں پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان عظیم قوتوں کو خوش کرنے میں احرار بدامن اور تشدد گروہ قرار پایا جائے اور احرار کا ہر ممبر باغی قرار دیا جائے۔ جس جماعت کے خلاف ہندو رائے عامہ ہو، ریاستیں دشمن ہوں، مسلمانوں کا اونچا طبقہ مخالف ہو، مرزائی جماعت جان کی لاگو ہو...... اسے شدید ابتلا سے بچانے کے لیے اپنے پروپیگنڈے کو کمزور نہ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ مجھے دوسرے ہی دن صرفِ کثیر سے روزنامہ احرار کے ساتھ انگریزی ضمیمے کا اضافہ کرنا پڑا۔ حالات سے بے خبر دوستوں نے کہا کہ یہ امیری کر لی؟ حالانکہ یہ غریبوں کا بچاؤ تھا۔

ہر چند ہم تشدد کے حامی نہ تھے، کوئی ہمیں ایسا قرار دے لیتا تو کیا ہوتا۔ گاندھی نے عدم تشدد کو ملک کا مذہب بنا دیا تھا۔ اہنسا مجھ جیسے ڈرپوک آدمیوں کا پردہ ہے۔ موت کے منہ میں کون جائے؟ چند دن قید کاٹی عمر بھر کی لیڈری مل گئی۔ سچ یہ بھی ہے جب کوئی جماعت تشدد کرتی ہے تو ملک اندھیر نگری بن جاتا ہے۔ جہاں بے داد راجہ پھانسی کے پھندوں کے مطابق موٹی گردن دیکھ کر گناہ گار کو چھوڑ کر بے گناہوں کو توری کی طرح لٹکا دیتا ہے۔ میں ڈرا کہ انگریزی حکومت کہاں کی فرشتہ ہے جلیاں والا باغ کا خون چکاں حادثہ تو آنکھوں دیکھی بات ہے۔ بے گناہوں کا موت کے گھاٹ اتارنا کسی حکومت میں اچنبھا چیز نہیں۔ ڈر کے ساتھ خدا نے حوصلہ دیا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے بس میں جماعتی کام میں مصروف ہو گیا۔ انگریزی پولیس نے تحقیقات شروع کی۔ سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی خان بہادر مرزا معراج دین نے میرے بیانات لیے۔ میں نے تشدد کے الزام سے اپنا اور پارٹی کا دامن پاک بتایا۔ اور ساتھ ہی ایک سوال کے جواب میں یہ بات صاف کر دی کہ باوجود ان واقعات کے ہم سول نافرمانی بند نہ کریں گے۔ اس نے کہا گاندھی جی نے چورا چوری کے حادثہ سے سبق حاصل کیا تھا میں نے کہا کہ احرار اس سبق کو دہرانا پسند نہ کریں گے۔ ہمیں اپنا دامن پاک رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب وہ پاک ہے تو دوسروں کے عمل کے باعث اپنے پروگرام کو کیوں بدلیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے اس رویے کا بہتر اثر ہوا۔ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ احرار کے دل میں چور نہیں ورنہ نرم تو ضرور ہو جاتے۔ ہماری انگریزی کی تحریر کے باعث غلط فہمیوں کے بادل اور بھی چھٹ گئے۔

رمضان مبارک اور نا مبارک ذہن:

مسلمانوں میں ان دنوں تحریک خلافت سے زیادہ سرگرمی تھی۔ پنجاب کے مسلمانوں کو ایک نشہ سا چڑھا تھا۔ سول نافرمانی کو چوتھا مہینہ تھا، مگر یہ سیاسی طوفان برابر بڑھ رہا تھا۔ گورنمنٹ آف انڈیا بے حد متاثر تھی۔ اگر میری اطلاع غلط نہیں تو نواب اسماعیل خاں کی معرفت وائسرائے نے کسی احرار لیڈر سے براہ راست مل کر اس تحریک کی خصوصیات معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی، مگر مسلمانوں کے اونچے طبقے نے اس کو فخر کی بات سمجھا، جس فخر کے وہ تنہا اپنے آپ کو مستحق سمجھتے تھے۔ احرار جیسی ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی مدعی جماعت کے لیے یہ بات قابل فخر نہ ہوتی بلکہ معمولی کاروباری بات ہوتی۔ اچھا ہوا کہ اعلیٰ طبقے نے میری اطلاع کے مطابق یہ کہا کہ ان چھوٹے طبقے کے لوگوں کو منہ لگانا ٹھیک نہیں اور وائسرائے باز رہے۔

اتنے میں رمضان کا مہینہ آگیا میں متوقع تھا کہ مسلمانوں میں جہاد کا جوش اور شہادت کا شوق بہت بڑھ جائے گا ایسا نہ ہو کہ جوش اور یہ شوق مسلمانوں کو بالکل سرمست کر دے اور تحریک میں نظم قائم نہ رہ سکے۔ مولانا مظہر علی، سید عطاء اللہ شاہ صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن، شیخ حسام الدین، مولانا احمد علی صاحب، جن کا عوام میں کوئی روشناس ہی نہیں۔ رمضان میں جہاد کے شوق کو کون مناسب حدود میں رکھے گا؟ میری جان دھڑکوں جاتی تھی کہ کہیں مسلمان سر ہتھیلی پر رکھ کر خون کی ہولی کھیلنا شروع نہ کر دیں۔ خون ریزی کا ایک واقعہ ہو چکا تھا کہ احرار کے جلوس میں کسی ہندو نے ایک غریب مسلمان نوجوان کو دن دہاڑے بیچ بازار مار دیا تھا۔ دوسرے دن مسلمانوں نے کئی ہندوؤں کو ہلاک کر کے دم لیا۔ لیکن قتل کے الزام میں لاہور کے سالار اعظم علم الدین دھر لیے گئے۔ جو بعد از خرابی بسیار باعزت رہا ہوئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ رمضان مبارک میں قربانی کے ولولے قرونِ اولیٰ کے تاریخی واقعات ہیں۔ موجودہ مسلمانوں کے لیے رمضان میں کوئی قربانی اور ایثار کا پیغام نہیں بلکہ محض فاقہ کر کے خدا کو خوش کرنے کا مہینہ ہے۔ اگر صبح کے بعد شام کو کھا لینے سے خدا خوش ہو جائے تو شوق شہادت اور دردناک اسیری کی سردردی کوئی مول کیوں لے۔ مسلمان اس گئے گذرے زمانے میں بھی خدا کی خوشنودی کو ضرور سامنے رکھتا ہے۔ وہ قربانی کرتا رہا جب تک اسے یہ یقین تھا کہ اس کا خدا یوں خوش ہے۔ اب رمضان مبارک کے آتے ہی خدا کی خوشنودی کا آسان راستہ معلوم تھا۔ کون نہ روزے رکھ کر خدا کو اپنا گرویدہ کر لے۔ میں نے دیکھا کہ پوری قوم پر اوس پڑ گئی ہے ہر شخص جیل جانے کی بجائے روزہ رکھ کر گھر میں معتکف ہو بیٹھا۔ پوری نو کروڑ کی آبادی میں سے ایک بھی تو نظر نہ آیا جس نے خوش دلی سے یہ کہا ہو کہ رمضان میں ہم امتحان کے لیے تیار ہیں۔

اللہ اکبر کیسا بڑا انقلاب ہے یا وہ دن تھے کہ رمضان کے مہینے میں شہادت پانے کی مسلمان آرزو کرتے تھے۔ اکثر مسلمان مجاہدوں نے عمر بھر روزے نہیں رکھے مبادا جہاد کے میدان میں ہاتھ کمزور ہو جائیں۔ یا اب یہ الٹی تعلیم ہو گئی کہ جہاد سے منہ موڑ کر رمضان کے روزے مقدم سمجھے جاتے ہیں (۲)۔ میں نے دیکھا کہ جتنا کوئی زیادہ دین دار تھا اتنا ہی کشمیر کے مظلوموں اور اپنے سے پہلے جیل میں پہنچے ہوئے مسلمانوں سے بے نیاز ہو کر احرار کی صفوں کو خالی چھوڑ چکے سے روزہ رکھنے لگا اور صاف کہا کہ جو ہو گا اب رمضان کے بعد دیکھا جائے گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جس

کے پاس جاتا ہوں قرآن خوانی میں مصروف ہے۔ ہوں ہاں کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔

چودھری عبدالستار بی۔ اے مرحوم فیروز پورے سے اپنی گھر والی، اپنے عزیز و اقارب کی بیویوں کو ساتھ لے کر لاہور آ گئے تھے۔ یہ شخص اخلاص اور نیکی کا مجسمہ تھا۔ تم اس کی سیرت کی عظمت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہو کہ معزز دوستوں نے اپنی پردہ دار بیبیاں ہمراہ کر دی تھیں کہ اس اسلامی تحریک کی تقویت کے لیے جیل جانا پڑے تو چودھری صاحب موصوف کے حکم کے مطابق سول نافرمانی سے دریغ نہ کریں۔ میں اور چودھری صاحب مرحوم کبھی مل بیٹھتے تھے تو اس بنیادی انقلاب پر بحث کرتے تھے جو مسلمانوں کے خیالات میں آ گیا ہے جس سے مسلمان جہادی زندگی کو خیر باد کہہ کر قولی عبادت کا قائل رہ گیا ہے۔ سینے پر زخموں کے نشان بہادروں کا سب سے بڑا تمغہ ہیں، مگر مسلمانوں نے ان تمغات سے سینوں کو مزین کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اسلام کے لیے دشمن کی کڑی قید جھیلنے کا کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ اکھڑے دل کی نمازیں رمضان کے بے روح روزے ان مسلمانوں میں اسلام کا آخری نشان ہیں۔ حالانکہ سچا مسلمان بیک وقت نمازی اور غازی ہونا چاہیے نمازیں وقت بے وقت ہو جائیں، روزے رہ جائیں، مگر میدان جہاد میں قدم نہ ڈگمگائے اور ہمت جواب نہ دے جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو ذاتی فلاح چاہتے چاہتے قوم مسلم کو کمزور کر دیں اور قولی عبادت کے ذریعے اپنے لیے جنت میں گھر بناتے رہیں۔ اور ادھر ملت کو کفر کے مقابلے میں خاک چاٹنی پڑے۔

(حواشی)

(۱) تاریخ اسلام کے صرف تیس برس بعد اسلام کی معاشرتی و معاشی تعلیمات کے بھلا دیے جانے کا واہمہ نہ صرف یہ کہ انحراف اور جسارت ہے بلکہ تاریخی طور پر بھی غلط اور مضحکہ خیز ہے۔ خاص طور پر احیائے دین کی جدوجہد کرنے والی تنظیمات کو ایسی بے وقوفی کی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ اگر اسلام کی تعلیمات حضرت پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ علیہم الصلوات کی شاندار مساعی اور جدوجہد کے باوجود تیس برس نہیں چل سکیں تو پھر ہم آپ اس زمانے میں کون سا اسلام چلانا چاہتے ہیں؟ (ادارہ)

(۲) شریعت اسلامیہ میں سفر اور بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑ کر قضا رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن محض اس وہم کی بنیاد پر کہ روزہ رکھنے سے جہاد میں کمزوری ہوگی روزہ چھوڑنا مجاہدین اسلام کی پہچان نہیں۔ (ادارہ)

Saleem&Company
Bahar Chowk, Masoom Shah Road, Multan.
SINCE 1968
Manufacture of Quality Furniture, Government Contractors, Electronics & General Order Suppliers
سلیم اینڈ کمپنی
0302-8630028
061 -4552446
فون نمبر:
بہار چوک معصوم شاہ روڈ ملتان
Email:saleemco1@gmail,com

شیخ راحیل احمد مرحوم

کیا اسلام اور احمدیت دو علیحدہ مذہب ہیں؟

دونوں طرف یعنی میرے مسلمان بھائی اور میرے سابقہ قادیانی دوست یہ سوال پڑھ کر حیران ہوئے ہوں گے، کیونکہ مسلمانوں کے لیے ایک واضح اور دوٹوک بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے۔ اور قادیانی اپنی تربیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ وہی ناجی مسلمان ہیں باقی مرزا صاحب کو نہ جاننے والا کافر ہے اور اصل اسلام کا منکر ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال پچھلے ایک سو سال سے بہت سے لوگوں کو مصروف رکھے ہوئے ہے مسلمانوں، اور عیسائیوں، دوسرے مذاہب اور قادیانی غیر مسلموں کو آئندہ بھی ایک عرصہ تک مصروف رکھے گا۔ بعض کے نزدیک اس مسئلہ کا فیصلہ دیا جا چکا ہے لیکن فیصلہ دینا اور اس پر عملدرآمد کرانا دو متضاد باتیں ہیں اور اس دنیا میں بہ یک وقت آپ چاہیں بھی تو مختلف ملکوں کے مختلف قوانین کی وجہ سے اس پر عملدرآمد نہیں کرواسکتے۔ اس لیے جب بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ حل طلب ہے تو وہ کسی حد تک صحیح ہیں اور جماعت احمدیہ کے نزدیک، سرکاری طور پر یہ مسئلہ ہے ہی نہیں بلکہ صرف چند ملاؤں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ موجود ہے اور اسی تنازعہ کی آڑ میں ہی یہ مذہبی ٹولہ، اور اس کے حوالی موالی اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ہی ان کی بقا ہے۔

میرے نزدیک اس تنازعہ کا فیصلہ علمی اور کسی حد تک ذہنی طور پر ہو چکا ہے کہ اسلام اور جماعت احمدیہ دو علیحدہ وعلیحدہ مذہب ہیں۔ لیکن آجکل کا پڑھا لکھا مسلمان طبقہ، کئی وجوہات کی بنا پر (جس میں بعض علماء کی کچھ غیر ذمہ دارانہ باتوں تقریروں کا بھی دخل ہے) علماء کے طبقہ کو مجموعی طور پر پسند نہیں کرتا۔ اور معاشرے کے یہ لوگ اپنی علماء سے ناپسندیدگی کی وجہ سے قادیانیوں کے ہاتھ چڑھ جاتے ہیں۔ یا ان کی بعض بظاہر خوشنما منطق اور مذہبی معاملات میں اپنی کم علمی کی وجہ سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اور اگر قادیانیت میں نہ بھی داخل ہوں تو ان کو کم از کم مسلمانوں کا فرقہ سمجھنے لگ پڑتے ہیں۔

اسلام کو خدا تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت کی بھلائی کے واسطے متعارف کروایا۔ لیکن قادیانیت یا احمدیت کو شیطان نے مرزا غلام احمد آف قادیان کے ذریعہ مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی انتشار کے دور میں متعارف کروایا اور ہر طرح کے دجل، تلبیس، فریب اور تحریف سے، نیز اس وقت کی حکمران انگریز حکومت کی کاسہ لیسی اور چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے اس آکاس بیل کو اسلام کے درخت پر چڑھا دیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آکاس بیل اگر کسی درخت پر چڑھ جائے تو اس کو اس درخت سے ہٹانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

اس تنازعہ میں اسلام ایک مظلوم اور قادیانیت المعروف بہ احمدیت ایک ظالم اور غاصب فریق ہے۔ ہر تنازعہ کی طرح اس تنازعہ کے بھی بنیادی طور پر دو فریق ہیں ایک مظلوم اسلام اور دوسرا ظالم احمدیت، لیکن دجل کی کامیابی دیکھیں کہ باوجود

قادیانیت المعروف بہ احمدیت ظالم ہونے کے اپنے آپ کو مظلوم کے طور پر پیش کر رہی ہے۔ اور مزید تکلیف دہی کی بات یہ ہے کہ احمدیوں کی ایک بھاری تعداد کو بھی اندازہ نہیں ہو پا رہا کہ وہ مظلوم نہیں بلکہ بظاہر مظلومیت کے نام پر اسلامی عقیدہ، اجماع امت اور دیانت و شرافت کے غاصب و ظالم بنا دیئے گئے ہیں۔ احمدیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم عیسائی دنیا کے لیے خطرہ ہو اور تمہیں ان (عیسائیوں) سے مقابلہ کے لیے تیار کیا جائے گا۔ حالانکہ عیسائیت کو احمدیوں سے کوئی خطرہ نہیں، نہ عقلی طور پر، نہ روحانی طور پر، نہ مالی طور پر، نہ سیاسی طور پر، بلکہ ان کی قیادت تو عیسائیوں اور ان کی حکومتوں کے تلوے ہی نہیں اور بھی بہت کچھ چاٹتی ہے اور ان کے نبی کے تو ایک مجسٹریٹ کے بلاوے پر ہی اوسان خطا ہو جاتے تھے۔

احمدی جماعت خطرہ ہے تو صرف اسلام کے لیے، صرف ایمان کے لیے، صرف شرافت کے لیے، صرف حیاء کے لیے ان میں سے بہت سوں کو اندازہ ہوتا بھی ہے تو وہ مالی مفادات، معاشی مجبوریوں، رشتہ داریوں یا پھر اپنی بزدلی کی وجہ سے اس مذہبی جاگیردار خاندان کے ہاتھوں عزت کے نام پر بے عزت ہو رہے ہیں، معاشی فوائد کی بجائے اپنے منہ کا آخری لقمہ بھی ان کو چندہ کے نام پر دے رہے ہیں۔ امن کی بجائے (قادیانی گسٹاپو کی وجہ سے) ایک دوسرے سے ڈرتے ہوئے (کہ پتہ نہیں کون امور عامہ کو ہماری بات پہنچا دے) بے سکونی کی حالت میں وقت گزار رہے ہیں۔ علم کے نام پر اندھی پیرزادہ پرستی کی جہالت کو سینے سے لگا رہے ہیں۔ کلمہ حق کہنے کی بجائے منافقت کے نام پر آہ کرنا بھی بند کر دیا ہے۔ جنت میں گھر کے نام پر اس دنیا میں اپنی اور بزرگوں کی بنائی ہوئی جائیدادیں مافیا کے ہاتھوں ''وصیت'' کر رہے ہیں۔

احمدیہ جماعت کی قیادت کا یہ لالچ اتنا بڑھ گیا ہے اور زیادتی کی انتہا کر رہے ہیں کہ ۱۵ سالہ بچوں سے وصیت فارم بھروا رہے ہیں جن کو ابھی برے بھلے کی بھی تمیز نہیں۔ عام احمدی اپنی اولادوں کو خودداری اور آزادی کا سبق سکھانے کی بجائے اس جماعت کے بزرجمہروں کو غلامی اور بے غیرتی کی تربیت دیتے ہوئے دیکھ کر بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ مذہبی گماشتے، احمدی کہلانے والوں کے دلوں میں عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنے کی بجائے ''عشقِ عاشقِ محمدی بیگم'' پیدا کر رہے ہیں، جو کہ نہ صرف ایک جھوٹا نبی تھا بلکہ ایک گندہ اور جھوٹا عاشق بھی تھا، سچا ہوتا تو خدا اس کو اس کے اس عشق میں اتنا ناکام اور ذلیل و خوار نہ کرتا۔ احمدی کہلانے والوں کے دلوں میں نفسیاتی حربوں سے احساس خودی پیدا کرنے کی بجائے احساس زیاں بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ اس مذہبی ٹولے نے احمدی کہلانے والوں کو عزت اور آبرو سے جینے کے اسباب مہیا کرنے کی بجائے پوری اسلامی دنیا میں ایک گالی بنا دیا ہے اور یہ گالی ہر احمدی اس طرح محسوس کرتا ہے کہ اگر آپ اس کو قادیانی کہیں تو اس لفظ پر وہ چڑتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے قادیانی کیوں کہتے ہو حالانکہ مرزا غلام احمد صاحب کے بقول قادیانی ان کا الہامی نام ہی نہیں بلکہ قادیان کا نام اللہ نے کشفی طور پر قرآن کے اندر دکھایا ہے اور اگر آپ مرزائی کہہ دیں تو وہ اور غصہ میں آئے گا اور پوچھے گا کہ مجھے مرزائی کیوں کہتے ہو؟ اگر مرزا غلام احمد نبی ہیں تو مرزائی ایک مقدس لفظ ہے اور مقدس لفظ سے چڑنا کیا معنی؟

یورپ میں قیام کا حق دلانے کے نام پر ہزاروں کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے اور ہزاروں آسودہ گھرانوں کو نان جویں کا بھی محتاج بنا دیا ہے، اور ہزاروں پاکستان میں معقول ذرائع ہونے کے باوجود، عیسائیوں کی زکوٰۃ پر یورپی ملکوں میں زندگی کے سانس بتا رہے ہیں، صرف اس خاندان کے لالچ کی وجہ سے، کہ پاکستان میں اگر کوئی سو روپیہ دیتا تو یہ مافیا اس سے یہاں سو ڈالر لیتا ہے۔ اور سو روپے اور سو ڈالر میں سو گنا فرق ہے۔

حُسنِ اِنتقاد

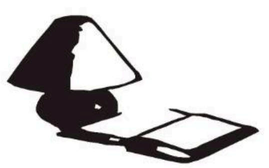

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام: محمدیہ پاکٹ بک (اشاعتِ ہفتم، جنوری ۲۰ء) **مؤلف:** مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری رحمہ اللہ
ضخامت: ۶۶۴ صفحات **قیمت:** درج نہیں **ناشر:** المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ، لاہور

عقیدہ ختم نبوت چونکہ وحدت امت کا ضامن عقیدہ ہے اسی لیے امت کے بدترین دشمن برطانوی استعمار نے اس پر ضرب لگانے کے لیے مرزائے قادیان کو اپنی حمایت و تائید کے ساتھ مبعوث کیا۔ اس حمایت و تائید کا بدلہ اتارنے کے لیے بقول خویش مرزا صاحب نے استعمار کی اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف برپا جنگ میں اپنے آقائے ولی نعمت برطانیہ کے حق میں اتنی کتابیں لکھیں کہ جس سے پچاس الماریاں بھر جائیں۔ مرزائے قادیان کی ہلاکت کے بعد اس کے وارثوں اور نام لیواؤں نے اپنے قائد کے جاری کردہ منصوبے کو برقرار رکھتے ہوئے دجل کے اس سرمائے میں مزید اضافہ کیا۔

الحمدللہ اہلِ اسلام نے نصرتِ دینِ محمدی میں اپنے سچے آقا و مولا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کرتے ہوئے تحریر و تصنیف کے میدان میں دیگر قدیم و جدید گمراہیوں کی طرح قادیانی فریب کا بھی بھرپور مقابلہ کیا اور جان دار علمی و تحقیقی لٹریچر کے انبار لگا دیے۔

زیرِ نظر کتاب تردیدِ قادیانیت کے علمی ذخیرے میں بھی بلند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب فتنۂ قادیانیت کے مقابلے کے لیے اکیلی ہی کافی اور کتب خانوں سے بے نیاز کر دینے والی کتاب ہے۔ بہت کم ایسی تصنیفات ہوں گی جن کے بارے میں یہ کہا جا سکے۔

اس کتاب کے مصنف حضرت مولانا عبداللہ معمار امرتسری مرحوم و مغفور ہیں۔ آپ کو فتنۂ قادیانیت کے بنیادی اور ثانوی مصادر پر گہری نظر حاصل تھی۔ قادیانی مناظرین سے گفتگو کا تفصیلی تجربہ حاصل تھا اور استدلال و جدل بالاحسن کے فن سے بھی مکمل واقفیت تھی۔ جس کا بیِّن ثبوت یہ کتاب ہے۔ قادیانی گروہ کے اعتقاد و فکر کے تنقیدی جائزے کی خواہش رکھنے والی کوئی شخصیت یا اس موضوع سے متعلق کوئی لائبریری اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ۷۶ برس سے مستقل شائع ہو رہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ہم نے انھی صفحات پر اس کتاب کے ۲۰۱۷ء میں شائع ہونے والے ایک نئے ایڈیشن پر تبصرہ کیا تھا جو کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب ناظم مولانا شاہ عالم گورکھپوری کی تحقیق سے چھپا تھا اور جس میں قادیانی تالیفات کی نئی طبعات سے حوالوں کی تخریج کی گئی تھی۔

زیرِ نظر ایڈیشن جسے المکتبۃ السّلفیہ نے شائع کیا ہے، بھی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے، بلکہ حروف خوانی کے عمدہ معیار، بعض اہم توضیحی و تفصیلی حواشی کے اضافے، عمدہ کتابت اور جاذبِ نظر ترتیبِ مواد کی وجہ سے پچھلی تمام طباعتوں سے بدرجہا بہتر اور لائقِ استفادہ ہے۔

اخبارُ الاحرار

مبلغین احرار کے دورۂ سندھ کی روداد: (مولانا تنویر الحسن احرار)

21 دسمبر 2020 صبح آٹھ بجے تلہ گنگ سے روانہ ہوا، سفر لاہور کی طرف جاری تھا کہ راستے میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ عبداللطیف خالد چیمہ کے نمبر سے دل غم زدہ کرنے والے خبر موصول ہوئی۔ صاحب فون نے ہر دلعزیز شخصیت، اور بہت پیارے بھائی حافظ حبیب اللہ چیمہ کے حادثاتی انتقال پر ملال کی خبر سنائی۔ دل پہلے ہی غم میں ڈوبا ہوا تھا کیونکہ 20 دسمبر کو میرے بہت پیارے دوست مولانا ابوبکر صدیق شجاع آبادی بن حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کے اچانک سانحہ ارتحال نے دل دہلا کے رکھ دیا تھا۔ میرا ان سے کم وبیش پچیس سال کا تعلق تھا۔ وہ زمانۂ طالب علمی سے لاہور میں میرے دکھ سکھ کے ساتھی تھے۔ مشکلات کے دور میں جب سب مدعیان صداقت ومودت منہ چھپاتے ہیں، مولانا ابوبکر صدیق رحمہ اللہ میرے دکھ درد کو سنتے حوصلہ افزائی کرتے۔ ان کی بہت ساری یادیں ہیں اپنا دل بہلانے کی ہر طرح کوشش کر رہا ہوں مگر کئی مناظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اللہ اکبر بات دور نکل گئی جوں ہی حبیب اللہ چیمہ کے انتقال کی خبر ملی بھائی آصف سے رابطہ کیا، مشورہ ہوا کہ لاہور پہنچتے ہی چیچہ وطنی کا سفر کریں گے۔ شیراکوٹ سے دفتر احرار پہنچا نماز ظہر ادا کی اور میاں محمد اویس صاحب کی قیادت میں بھائی آصف بھائی عامر صاحبان کے ہمراہ سفر شروع کیا کمالیہ پہنچ کر نماز عصر ادا کی اور عبدالکریم قمر صاحب بھی ہمارے قافلے میں شامل ہوگئے۔ نماز مغرب چک 42/12 ایل پہنچ کر ادا کی۔ اسی دوران غمزدہ خاندان کے افراد کے ساتھ ملاقات اور اظہار تعزیت کیا۔ نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری صاحب نبیرۂ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ ثالث بخاری، مولانا اللہ وسایا، پیر جی عبدالجلیل رائے پوری، ملک محمد یوسف، قاری محمد یوسف احرار، چوھدری ظفر اقبال، مولانا محمد اکمل، مولانا فیصل متین ودیگر رفقاء احرار پہنچنا شروع ہوئے نماز عشاء پڑھنے کے بعد شاہ جی کے ہمراہ سکول گراؤنڈ پہنچے جہاں علماء طلباء اور عوام الناس کا جم غفیر تھا۔ اس غم کی گھڑی میں ہمارے محسن ومشفق مرشد حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ بھی تشریف لے آئے۔ نماز جنازہ کی امامت حضرت مرشد کریم دام لطفہ نے کروائی۔ جنازے کے بعد واپسی ہوئی۔ چیچہ وطنی سے ساہیوال کا سفر ان محبوب دوستوں کی یادوں میں ہی گزر گیا۔ ساہیوال سے لاہور روانہ ہوئے اور رات دو بجے دفتر احرار پہنچ کر آرام کیا۔

22 دسمبر 2020ء دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں قیام تھا۔ مشاورت کے بعد تیاری کی اور بھائی کامران مصطفیٰ کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ بجے فیصل موورز کے ذریعے روانہ ہو کر رات دس بجے سکھر پہنچے، جہاں مولانا سیف اللہ مسعود سومرو اپنے احباب کے ساتھ منتظر تھے۔ ماشاءاللہ خوب وضع دار آدمی ہیں۔ سکھر سے شکار پور پہنچے وہاں پر تکلف دعوت طعام کے بعد رحیم آباد پہنچے جہاں رات کے ڈیڑھ بجے آٹھ دس نوجوان منتظر تھے۔ ماشاءاللہ سندھی نوجوانوں کی میزبانی اور مہمانداری کی روایات میں عرب کی میزبانی کا واضح رنگ نظر آیا۔ رات اڑھائی بجے تک باوجود تھکاوٹ کے ان کے ساتھ نشست جاری رہی۔ انہیں فتنہ قادیانیت کے متعلق تجسس تھا، بفضل اللہ تفصیل سے گفتگو ہوئی ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ ان نوجوانوں نے عزم کیا کہ ہم ختم نبوت کے مبارک کام میں مصروف رہیں گے۔

23 دسمبر 2020ء شکار پور کے علاقہ رحیم آباد میں جامعہ مسجد رحمانیہ میں نماز فجر کی امامت وادائیگی کے بعد درس قرآن مجید بسلسلہ تحفظ ختم نبوت دیا عوام کا جوش وخروش دیدنی تھا جب قادیانی تلبیسات اور دھوکوں کے تار و پود کھولے تو عوام کے جذبات قابل رشک تھے۔ بڑے بوڑھے جوان حیران تھے کہ ان نشانیوں والے لوگ ہمارے ہاں نقب لگا چکے ہیں ہمارے نوجوانوں کے ایمان لٹ چکے ہیں بہرحال ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد احباب نے کافی اطمینان کا اظہار کیا۔ بعد ازاں ہم رحیم آباد بازار میں مولانا سیف اللہ مسعود کے بھائی ثناء اللہ مسعود کی دکان پہ پہنچے جہاں متعدد دوست جمع تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی سوال وجواب کی نشست ہوئی، قادیانیت کے متعلق عجیب پریشان کن خبریں سامنے آئیں۔ اور تحفظ ودعوتِ ختم نبوت کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔

دن نو بجے جامعہ خیر المدارس حمادیہ رحیم آباد پہنچے۔ جہاں مہتمم ادارہ مولانا علی محمد سوندھڑو نے خیر مقدم کیا۔ جامعہ کی مسجد میں طلباء کو جمع کیا طلباء کے سامنے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت وفضیلت کے عنوان پہ سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر محمد آصف نے قادیانی فتنہ کی چالوں سے طلباء کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ وہاں سے فارغ ہوکر مدرسہ مسجد رحمانیہ میں پہنچے جہاں رحیم آباد کی تاجر برادری سے نشست کی۔

ہم مولانا سیف اللہ مسعود سومرو کی معیت میں رحیم آباد سے شکار پور کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں بھائی مسعود اختر سے مختصر ملاقات کے بعد امروٹ شریف پہنچے اللہ اکبر امروٹ شریف کا نام آتے ہی تاریخ کے عجیب واقعات آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ امروٹ شریف حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمہ اللہ، حضرت شیخ الھند مولانا محمود حسن دیوبندی، امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمھم اللہ جیسے کبار اہل تقوی واہل ایثار کی نسبتوں کا محور ومرکز ہے۔ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمہ اللہ تحریک آزادی کے رہنما قافلہ ولی اللہی کے سرخیل تھے۔ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ان ہی کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت امروٹی کی خانقاہ اہل حق کا مرکز تھی۔ الحمد للہ کچھ تلاوت اور ایصال ثواب کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت امروٹی کے خلیفہ وجانشین مولانا سید محمد شاہ صاحب کے فرزندان گرامی میں سید تاج محمد شاہ اور مولانا سید سراج احمد شاہ سے ملاقات کی اور مجلس احرار کی دعوت کا تعارف پیش کیا۔

امروٹ شریف سے ہم لاڑکانہ کے لئے روانہ ہوئے تو مولانا سیف اللہ مسعود نے ہمیں بتایا کہ برطانوی استعمار کے زمانہ میں اس جگہ کھدائی شروع ہوئی اور بہت بڑی نہر کے لیے زمین کو کھودا جارہا تھا، راہ میں جو مساجد آرہی تھیں ان کو گرانے کا فیصلہ ہورہا تھا، ایک مسجد اس کینال میں آرہی تھی، بستی کے لوگ حضرت امروٹی کے پاس گئے اور انہیں صورتحال سے آگاہ کیا اور مسجد بچانے کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ ہم مسجد کا تحفظ کریں گے۔ حضرت نے اپنی خانقاہ کے فقیروں کو اس مسجد میں بھیج دیا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ کرینیں ودیگر مشینری مسجد کو گرانے آگئی ہے تو حضرت امروٹی خود تشریف لے گئے۔ حضرت کے تشریف لے جانے کی کرامت سے اچانک مشینری نے کام کرنا بند کردیا، جس پر انگریز حاکم اپنے ارادے سے باز آیا۔ اللہ اکبر! ہم نے اسی نہر میں واقع مسجد میں نماز ظہر ادا کی تقریباً ساڑھے تین بجے لاڑکانہ پہنچے جہاں علامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو رحمہ اللہ کے ادارہ جامعہ اسلامیہ میں احباب ہمارے منتظر تھے۔

عصر کے بعد ہمیں مولانا بلال میرانی نے پروگرامات کی ترتیب کا شیڈول بتایا۔ مغرب سے قبل مجاہد ختم نبوت مولانا منیر احمد علوی نائب امیر شبان ختم نبوت پاکستان پہنچ گئے۔ ان کی معیت میں دہامرہ جانا ہوا، جہاں جمعیت

علمائے اسلام کے مقامی ذمہ داران نے جامع مسجد مدنی میں ختم نبوت کے عنوان پر پروگرام ترتیب دیا ہوا تھا۔ مغرب کے بعد شبان ختم نبوت کے ذمہ دار مولانا خدابخش سومرو نے تعارفی گفتگو کی اور پھر راقم کو گفتگو کی دعوت دی گئی۔ راقم نے حسب توفیق ختم نبوت، منصب و مقامِ مرتبہ نبوت اور قادیانی فتنہ کا تعارف کے حوالے سے گھنٹہ بھر بات کی۔ نمازعشاء کے بعد مولانا منیر احمد علوی نے بہت عمدہ گفتگو فرمائی، اللہ تعالی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ دہامرہ سے فارغ ہوکر ہم جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ پہنچے اوراگلے دن کے نظم کے بارے میں مشاورت کی۔ جبکہ مولانا عبداللہ اور عبدالباری نے علاقے میں قادیانیت کی صورتحال پر تفصیلی بریفنگ دی۔

24 دسمبر 2020ءکوبھی جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ میں قیام رہا۔ مولانا راشد محمود سومرو مدظلہ علامہ خالد محمود سومرو شہید رحمہ اللہ کے لائق فرزند ہیں جو وڈیرہ شاہی کے خلاف سینہ تان کر میدان میں کھڑے ہیں اور متعدد دینی خدمات میں انتہائی فعّال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اکثر وقت قائد جمعیت مولانا فضل الرحمان صاحب کے ساتھ سفر پہ ہوتے ہیں۔ ماشاءاللہ علامہ خالد شہید کے سارے بیٹے اللہ کے دین کی کسی نہ کسی خدمت میں مکمل طور پر منہمک ہیں۔

بھائی جہانزیب شیخ سے ملاقات

جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ میں ہم مشاورت میں مصروف تھے کہ ایک نوجوان ساتھی تشریف لائے جنہوں نے اپنا نام جہانزیب شیخ بتایا۔ انھوں نے مکتب سکول سسٹم کے ساتھ ٹیوشن سنٹر بنایا ہوا ہے۔ کہنے لگے کہ میں کچھ لوگوں سے پریشان ہوں یہاں پروگرام کرتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں میں نے پوچھا ان کی دعوت کا مجموعی دائرہ کیا ہوتا ہے تو کہنے لگے کہ سب سے پہلے علماء سے متنفر کرنا علماء کیخلاف آواز اٹھانا ان کی کمی کوتاہی کو بطور دلیل بیان کرنا۔ یہ پہلا وار ہوتا ہے اس کے بعد کہتے ہیں کہ تمام جماعتیں باطل ہیں سوائے ہمارے ہم حق پہ ہیں۔ دین کی صحیح منہج کو ہم نے سمجھا ہے ہمارے علاوہ دین کا کسی کو پتہ نہیں پھر مجھے کچھ ریکارڈنگ سنوائی۔ سن کر معلوم ہوا کہ بات درست تھی اور جن صاحب کے بارے میں وہ بات کر رہے تھے ان کا تعلق ہمارے ہی بزرگوں سے رہا۔ مجھے بہت دکھ اور پریشانی ہوئی کہ دین کے نام پر فتنہ اندازی کی یہ صورت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

نمازظہر کے بعد نظر محلّہ کی جامع مسجد میں دس روزہ ختم نبوت تربیتی کورس کی دوسرے دن کی نشست تھی۔ اس میں شریک ہوئے راقم نے ایک گھنٹہ: ''عقیدہ ختم نبوت کیا ہے'' کے عنوان پر گفتگو کی۔ بعد میں ڈاکٹر آصف صاحب نے مرزا قادیانی کا تعارف اوراس کی چالبازیوں سے آگاہ کیا۔ نمازعصر کے بعد جناب پروفیسر عبدالرحیم کی لائبریری میں جانا ہوا۔ پروفیسر صاحب محترم سندھ کی معروف روحانی شخصیت محمد موسیٰ بھٹو کے قریبی عزیز ہیں۔ آپ کی لائبریری میں بہت اچھی نشست رہی۔ نماز مغرب ڈاکٹر خالد محمود سومرو شہید کے گاؤں عاقل میں پہنچ کر ادا کی اور نماز کے بعد تفصیل سے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت پر بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب کہ یہاں خواتین کے لیے بھی الگ انتظام کیا گیا تھا۔ نمازعشاء کے بعد مولانا منیر احمد علوی نے حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ شاندار گفتگو کی اور ہم رات دس بجے واپس جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ پہنچے اور آرام کیا۔

25 دسمبر 2020ء کو جمعۃ المبارک تھا نماز جمعہ سے قبل تک مختلف انفرادی وخصوصی نشستیں جاری رہیں۔ طلباء تشریف لاتے، اپنے سوالات پوچھتے اور مطمئن ہوکر تشریف لے جاتے۔ نماز جمعہ کی ترتیب شہر کی مختلف مساجد میں

تھی۔ جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ میں مولانا منیر احمد علوی جامع مسجد عرفات میں جناب ڈاکٹر محمد آصف، جامعہ تعلیم القرآن جمال مصطفیٰ میں راقم اور جامع عثمان بن عفان شیخ زید کالونی میں مولانا خدا بخش سومرو نے جمعہ پڑھایا۔ گویا شہر کے چاروں طرف سے ختم نبوت کی آواز آرہی تھی الحمدللہ۔ تمام مبلغین نے اپنے اپنے مقام پر ختم نبوت اور رد قادیانیت کے عنوان پہ سیر حاصل گفتگو کی اور قادیانی فتنے کے حقیقت سے سامعین کو آگاہ کیا۔

قادیانیت سے متاثر نوجوان سے ملاقات

نماز جمعہ کے بعد ایک نوجوان جن کا نام بوجوہ نہیں لکھ رہا اپنے ایک دوست کے ساتھ آئے اور ڈاکٹر محمد آصف صاحب کے ساتھ محوِ گفتگو ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس نوجوان کے تمام سوالات توجہ اور تحمل سے سنے پھر با حوالہ تمام سوالات کے جوابات دیے۔ بفضل اللہ نماز مغرب سے قبل ان کے تمام اشکالات ختم ہو چکے تھے اور صاف ذہن کے ساتھ خالص مسلمان ہونیکی حیثیت سے شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

نماز مغرب کے بعد راقم اور مولانا خدا بخش سومرو شیخ زید کالونی جامع مسجد عثمان بن عفان میں بیان کے لیے چلے گئے جبکہ ڈاکٹر آصف اور مولانا منیر احمد علوی مدظلہما کے پاس قادیانیت سے متاثر یا متجسس ساتھیوں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

راقم نے ڈیڑھ گھنٹہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا منہجِ دعوت، تعارف عقیدہ ختم نبوت، تعارف مرزائیت کے حوالے سے گفتگو کی۔ نماز عشاء کے بعد مولانا خدا بخش نے حیات عیسیٰ علیہ السلام اور مولانا منیر احمد علوی نے ردّ مرزائیت پہ بات کی۔ بیانات سے فارغ ہوکر قیام گاہ پہنچے جہاں پھر نوجوانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ ماشاء اللہ نشستوں کا سلسلہ جاری رہا۔

26 دسمبر 2020ء کا شیڈول دیا گیا کہ صبح جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ میں ختم نبوت تربیتی کورس کی نشست سے مولانا منیر احمد علوی بیان کریں گے اور باقی دونوں حضرات علمائے کرام و اساتذہ سے ملاقاتیں کریں گے۔

ترتیب کے مطابق جامعہ کے مختلف اساتذہ سے تفصیلی گفتگو کی بالخصوص مولانا مسعود سومرو بہت متفکر تھے اور کئی معاملات میں پریشان بھی تھے کہ ہمارے مروجہ مبلغین کا رویہ درست نہیں ہوتا۔ بھولے بھٹکے انسان کو نہ تو غصے سے دبایا جاسکتا ہے، نہ گالیاں نکال کر مطمئن کیا جاسکتا ہے۔ متذبذب آدمی بدل سکتا ہے تو ہمارے رویے اور انداز کی تبدیلی سے۔ ہم بغیر سوچے سمجھے اگر روایتی انداز بروئے کار لاتے ہوئے کسی بھٹکے ہوئے کو درست سمت پہ لانے کی توقع رکھتے ہیں تو یہ ہماری غلط فہمی ہے۔

سات قادیانیوں اور ایک قادیانی بہن خاتون کا قبول اسلام

ہم علمائے کرام سے مل ہی رہے تھے کہ اس دوران ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سات قادیانیوں کے قبول اسلام کی خبر موصول ہوئے الحمدللہ چناب نگر سے نومسلم بھائی محمد احسن قریشی نے ایک قادیانی لڑکی کے قبول اسلام کی خبر سنائی تو ہمارا ایمان مزید بڑھا۔

نومسلم خالد محمود بھائی سے ملاقات:

ہم دفتر جامعہ اسلامیہ لاڑکانہ میں ہی بیٹھے تھے کہ ایک دوست تشریف لائے جنہوں نے اپنا نام خالد محمود بتایا۔

تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو خالد بھائی نے بتایا کہ میرا سارا خاندان ہندو ہے، اللہ نے مجھے توفیق عطا فرمائی اور دو سال قبل اسلام کی حقانیت میرے سامنے روشن ہوگئی۔ مجھے بچپن میں اسلام اچھا لگتا تھا اسلام کی صفائی ستھرائی، اذان، نماز ،قرآن پڑھتے بچوں کو دیکھتا تو دل کرتا کہ میں بھی نماز قرآن پڑھوں۔ بس اللہ نے ہدایت کی شمع روشن کردی اور مسلمان ہوگیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بہت تکالیف اٹھانا پڑیں۔ آج کل جامعہ بنوریہ کراچی میں زیر تعلیم ہیں۔ والدین سے رابطے کی صورت نہیں بن پا رہی۔ جبکہ مکمل طور پہ کفالت کی ذمہ داری مولانا راشد محمود سومرو پوری کررہے ہیں۔

جامعہ دار العلوم میر خان میں حاضری:

ڈاکٹر محمد آصف تشکیل کے مطابق جامعہ اسلامیہ قدیم چلے گئی جہاں شیخ الحدیث مولانا علی محمد حقانی رحمہ اللہ کے فرزند اور قدیم جامعہ کے مہتمم مولانا مسعود سومرو سے تفصیلی ملاقات کی اور مولانا خدا بخش جامع مسجد عرفات تشریف لے گئے جبکہ مولانا منیر احمد علوی مولانا عبداللہ میرانی اور راقم ضلع قمبر کے علاقہ میرواہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں جامعہ دار العلوم کے مہتمم مولانا منیر صاحب سمیت اساتذہ سے ملاقاتیں کیں۔ ''تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے علماء کی ذمہ داریاں'' کے عنوان پر گفتگو کی۔ مغرب کی نماز کے قریب واپس لاڑکانہ پہنچے۔

قادیانیوں کی تبلیغ کا انداز:

ہمارے پاس لاڑکانہ کے ایک تاجر تشریف لائے اور بڑی عجیب کارگزاری سنائی۔ کہنے لگے ایک نوجوان کچھ عرصے سے میرے پاس دکان پہ آتا تھا۔ معاملات کا اچھا تھا تو آہستہ آہستہ ہماری دوستی ہونے لگی۔ ہمارا تعلق مضبوط ہو گیا تو طویل کئی گھنٹوں کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آہستہ آہستہ اس نے اس دوستی اور کاروباری تعلق کو دعوت کے روپ میں بدلنا شروع کردیا اور ایک دن سرعام مجھے مرزائیت کی دعوت دینا شروع کردی۔ میں نے ختم نبوت کے متعلق کچھ تھوڑا سا سنا ہوا تھا، لہذا سخت سست کہہ کر اس کو بھگا دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس کے دام میں پھنسنے سے بچ گیا۔

27 دسمبر 2020ء کو لاڑکانہ میں بے نظیر بھٹو کی برسی کی وجہ سے خوب گہما گہمی تھی مگر ہم تمام شور شرابوں سے ہٹ کر اپنے دعوتی کاموں میں مگن تھے۔ حسب ترتیب مولانا منیر احمد نے جامعہ اسلامیہ جدید میں کورس پڑھانا تھا اور ڈاکٹر محمد آصف اور راقم نے جامعہ اسلامیہ قدیم میں اس کار خیر کو سرانجام دینا تھا۔ ہم صبح آٹھ بجے جامعہ قدیم پہنچے جہاں مفتی عبدالرحمان اور دیگر اساتذہ نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ جامعہ قدیم میں بنین و بنات کے شعبے الگ الگ قائم ہیں اور جگہ کی تنگی کے باوجود ماشاءاللہ دین مبین کی اشاعت و آبیاری میں مصروف ہیں۔

جامعہ کے نظم کے مطابق میرے ذمہ طے ہوا کہ شعبہ بنات میں اسباق نہیں ہوں گے، وہاں تفصیل سے ختم نبوت کورس پڑھانا ہے۔ میں اپنی تشکیل کے مطابق شعبہ بنات کی طرف چلا گیا جہاں پردے میں بنات و معلمات کو درس ختم نبوت دیا اور ''بحیثیت خواتین اس شعبے میں عالمات و فاضلات کی ذمہ داریاں'' کے عنوان پر بات کی جب کہ ڈاکٹر آصف صاحب نے طلباء میں بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی۔

ماہنامہ دعوت دین:

جامعہ میں گفتگو کرنے کے بعد جامعہ کے استاذ الحدیث مولانا عبدالقیوم آرائیں تشریف لائے اور بہت تفصیل سے ان کے ساتھ بات ہوئی ماشاءاللہ بہت متحرک عالم ہیں اردو۔ سندھی میں بہت ساری کتابیں لکھ چکے ہیں اور

دعوت دین کے نام سے اردو میں دو سال سے ایک رسالہ چلا رہے ہیں۔ فرمانے لگے اس مرتبہ نماز کے عنوان پہ خصوصی نمبر چھاپ رہے ہیں، رسالے کے لیے مضمون لکھ دیں۔ ان کے حکم کی تعمیل میں وہیں بیٹھے ایک مضمون ’’آخری نبی کی آخری وصیت‘‘ کے عنوان پہ لکھ کر پیش کر دیا۔ اللہ قبول فرمائے۔

مولانا نے مطلع فرمایا کہ آئندہ شمارے سے تین صفحات ختم نبوت اور ردقادیانیت کے لیے وقف کر رہے ہیں۔ جزاک اللہ تعالی۔ تقریباً ایک بجے جامعہ جدیدمیں واپس پہنچے۔ نماز ظہر کے بعد مشاورت کی، مولانا منیر احمد کچھ متاثر نوجوانوں سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔ عصر کے بعد مولانا عبدالقیوم ہمیں لینے آگئے کہ مغرب کے بعد کی نشست جامع مسجد ڈاکٹر کالونی میں تھی۔ جہاں وکلاء ڈاکٹر حضرات اور دیگر طبقات زندگی سے متعلقہ افراد موجود تھے۔ بہت اہم نشست ہوئے ختم نبوت کی اہمیت وفضیلت پہ راقم نے گفتگو کی پھر ڈاکٹر آصف نے تفصیل سے قادیانی فتنہ کا تعارف اور ان کی چالبازیوں کا پردہ چاک کیا۔

جب کہ سوال وجواب کی خوب نشست ہوئی نماز عشاء کے بعد مولانا ناصر محمود اور مولانا راشد محمود صاحبان کی طرف سے پر تکلف دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں شریک ہوئے۔ بعدازاں لائبریری ہال میں واقع کانفرنس روم میں ادارہ کے تمام اساتذہ کو جمع کیا اور بھرپور نشست ہوئی۔ مہتمم جامعہ اور مولانا راشد محمود کی مشاورت سے مولانا مسعود صاحب کو مسئول بسلسلہ تحفظ ختم نبوت چنا گیا۔ کئی معاملات پہ مشورے ہوئے اور دعا سے نشست اختتام پزیر ہوئی۔

28 دسمبر 2020ء کو شیڈول کے مطابق مولانا منیر احمد علوی نماز فجر کے فوری بعد پنجاب کی طرف واپس چلے گئے۔ طویل عرصے بعد ان سے اتنی دیر رفاقت رہی، ماشاء اللہ بہت اچھا وقت گزرا۔ موجودہ حالات میں دفاع ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے کے حوالے سے فکرمندی کا اظہار ہوتا رہا، مبلغین کی انداز گفتگو کے حوالے سے فکر جاری رہی، بالخصوص دعوت اسلام کے حوالے سے، ہم اپنی کمزوریوں پہ غور کرتے رہے۔ جامعہ اسلامیہ میں جاری ختم نبوت کورس کی پہلی نشست میں ختم نبوت کے کام کی اہمیت وضرورت اور کام کا طریق کار کیا ہونا چاہیے کے حوالے سے گفتگو کی۔ پھر ڈاکٹر محمد آصف نے قبول اسلام کی داستان اور قادیانیوں کی چالبازیوں کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی گفتگو کے بعد شرکاء کورس نے سوالات کیے ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے جوابات دیے۔

مولانا مسعود احمد سومرو:

ہمارے مخدوم مکرم مولانا راشد محمود سومرو کے چچا شیخ الحدیث مولانا علی محمد حقانی رحمہ اللہ کے چھوٹے بیٹے مولانا مسعود احمد سومرو بہت ذی علم اور شگفتہ طبیعت آدمی ہیں۔ اللہ نے علم وعمل کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ بے تکلف دوستوں میں امام الجنائز کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو شہید کی نماز جنازہ کے بعد علاقہ بھر میں اکثر وصیت کے مطابق نماز جنازہ کی امامت کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے رہے۔ کچھ مقامی لوگوں کی وجہ سے بہت متفکر تھے، جو جہالت کا شکار ہو کر دائرہ اسلام کو چھوڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ مولانا نے ہمیں فرمایا کہ میں انہیں تلاش کروں گا اور جب تک ان سے بات نا ہو آپ کو واپس نہ جانے دوں گا۔ مغرب کے بعد ہم دعا میں مصروف تھے کہ اچانک مولانا ان گم گشتہ دوستوں میں سے ایک بھائی کو لے کر پہنچ گئے۔ ابتدائی تعارف کے بعد ڈاکٹر آصف نے گفتگو کا سلسلہ شروع

کیا تو ابتدا میں ہی عقدہ کھل گیا کہ یہ لوگ ایک نئے فتنے کا شکار ہیں جس کی ابتدا 2018ء میں ہوئی۔ ادیب نذیر نامی نفسیاتی مریض شخص کھٹانہ گجرات کا رہائشی تھا۔ جس نے اپنا فرضی نام احمد عیسی رکھا ہوا ہے اور انٹرنیٹ پہ اپنے فتنے کو دعوائے نبوت عیسویت ومھدویت کے عنوان سے نشر کر رہا ہے۔ یہ ساتھی اس کی گفتگو سن کر اس کے دھوکے کا شکار ہو گئے۔ بھائی آصف صاحب نے کلام کیا اس دوران مجھے بھی کچھ گفتگو کا موقع ملا۔ قرآن مقدس اور احادیث طیبہ کی روشنی میں عقلی ونقلی دلائل سے آگاہ کیا۔ بفضل اللہ دو گھنٹے گفتگو جاری رہی بالآخر فتنہ اجرائے نبوت مدعئ نبوت کاذبہ احمد عیسی کے دھوکوں کے شکار بھائی محمد ابراہیم نے احمد عیسی پر لعنت بھیج کر مولانا مسعود احمد مولانا خدا بخش سومرو مولانا عبداللہ میرانی مولانا عبداللہ گھوٹکی اور راقم کے سامنے ڈاکٹر محمد آصف کے ہاتھ پر قبول اسلام کر لیا۔ مولانا مسعود احمد نے کلمہ پڑھایا، دعا کروائی الحمدللہ ہمارا یہ سفر اور یہاں کا قیام تکمیل تک پہنچا۔

29 دسمبر 2020ء کو اہل سندھ کی محبتوں شفقتوں سے لبریز آٹھ دن گزارنے کے بعد ہماری واپسی کا سفر تھا۔ ملک بھر میں سفر کی ترتیب رہتی ہے مگر جتنی محبت اہل سندھ بالخصوص مولانا سیف اللہ شکار پوری، مولانا ناصر محمود سومرو، مولانا راشد محمود سومرو، مولانا مسعود احمد سومرو، مولا عبدالقیوم آرائیں، مولانا عبداللہ میرانی، مولانا خدا بخش سومرو، عزیز القدر مولوی عبدالباری، مولوی عبدالحنان اساتذہ جامعہ اسلامیہ قدیم/ جدید طلباء اور کارکنانِ جامعہ نے دی ہمیشہ ان کے لیے دل سے دعائیں نکلیں گیں۔ رات کو مولانا مسعود احمد سومرو نے گاڑی والے کو کہہ دیا تھا صبح پانچ بجے لاڑکانہ کو خیر آباد کہہ کر سکھر کے لیے روانہ ہوئے۔

سکھر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے رحمت عالم محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک وعظیم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقابر کی زیارت کا ارادہ تھا۔ یہ عظیم صحابہ کرام جو ہزاروں میل کا سفر کر کے اس مٹی میں مدفون ہیں۔ جنہوں نے عرب کو چھوڑا جوارِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام سے دور ہوئے نا معلوم کن صعوبتوں اور تکالیف کے ساتھ اس مقام تک پہنچے۔ انھی حضرات کا احسان عظیم ہے کہ آج ہم دین مبین کی نعمت سے مالا مال ہیں۔ سکھر سے لاڑکانہ جاتے ہوئے محبوب گوٹھ کے مقام پر سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ جہنی رضی اللہ عنہ اور ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خاندان کے افراد کی قبور ہیں۔ جب سے سندھ میں دخل ہوا ذہن انہی مقابر کی زیارت کی خواہش سے لبریز رہا۔ کہ وہ وقت کب آئے گا کہ قبور صحابہ حاضری دوں گا۔ صبح ہم روانہ ہوئے تو میں نے ڈرائیور کو کہا کہ قبور صحابہ پہ حاضری دینی ہے فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں کہ ہم قبور صحابہ پہ حاضر تھے۔ اللہ اکبر یہ صبح کا وقت اور اذانوں کی گونج دماغ میں چودہ سو سال پہلے کے مناظر گھوم رہے تھے۔ سلام عرض کیا تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا۔ اپنے سفر کی قبولیت کے لیے اللہ کے حضور دعا کی۔

چودہ سو سال قبل یہ ہستیاں دعوت ودفاع اسلام کے لیے یہاں آئی تھیں، آج ہم کسی حیثیت میں بھی ان حضرات سے مشابہت کے مدعی نہیں مگر مقصد سفر ہمارا ابھی دعوت ودفاع اسلام تھا۔ دعا کی یا اللہ ہمیں صحابہ کرام کے نقش قدم پہ چلا دے۔ میں سوچ رہا تھا ہم نہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھ سکے نا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دیدار کر سکے۔ ان کی قبور کو دیکھ کر حالت عجیب تھی ایک منظر دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سندھ کی روایت کے مطابق اللہ نے ان قبور کو شرک کا اڈہ بننے سے بچایا ہوا ہے۔ الحمدللہ!

ماشاء اللہ مین روڈ پہ مدرسہ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے نام سے شاندار مدرسہ زیر تعمیر ہے صبح کا وقت تھا ہم مدرسے میں نہیں گئے۔ سکھر پہنچے اور لوکل تیز ترین کھٹارہ سروس پہ رحیم یار خان ساڑھے بارہ بجے پہنچ گئے۔ مولانا فقیر اللہ احرار بھائی سعید نے استقبال کیا اور مولوی طارق چوہان مرحوم کے ڈیرے پر لے گئے۔ جہاں نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری اور دیگر احباب موجود تھے شاہ جی کی معیت میں مرکز احرار جامعہ فاروقیہ میں پہنچے الحمدللہ مجلس احرار اسلا کے اکانوے سالہ یوم تاسیس کے اجتماع میں شریک ہوگئے۔ پرچم کشائی سے پہلے راقم نے بھی گفتگو کی۔ جس میں مجلس احرار اسلام کے شاندار ماضی کا تذکرہ کیا اور موجودہ دور میں کام کی اہمیت اور کام کو بڑھانے کی ترغیب دی۔ شاہ جی نے سرخ ہلالی پرچم اور سبز ہلالی پرچم لہرائے فضا تکبیر و ختم نبوت اور احرار کے نعروں سے گونج اٹھی نماز مغرب پڑھ کر ملتان کے لیے روانہ ہوئے رات دیر تک سید عطاء اللہ شاہ ثالث بخاری اور سید عطاء المنان بخاری حفظھما اللہ سے گفتگو ہوتی رہی یوں یہ سفر ملتان میں اختتام پزیر ہوا فلہ الحمد والمنۃ۔

احرار رہنماؤں کا سات روزہ دعوتی و تبلیغی دورۂ سندھ

سید محمد کفیل بخاری اور ڈاکٹر محمد آصف کے فکر انگیز خطبات (رپورٹ: مولوی محمد فیضان)

مجلس احرار اسلام سندھ کے امیر مفتی عطاء الرحمٰن قریشی کی دعوت اور سرپرستی میں مرکزی نائب امیر سید محمد کفیل بخاری اور مرکزی ناظم دعوت و ارشاد ڈاکٹر محمد آصف نے صوبہ سندھ کا سات روزہ دعوتی و تبلیغ دورہ کیا اور مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔ 14 جنوری کو ڈاکٹر محمد آصف اور راقم محمد فیضان ملتان سے سکھر کے لیے روانہ ہو کر، رات تقریباً سوا سات بجے سکھر پہنچے۔ ہمارے میزبان بھائی محمد آصف ایڈووکیٹ گاڑی لے کر آ گئے اور ہم 20۔کلومیٹر کا سفر کر کے خیر پور میرس پہنچے۔ بھائی آصف کے گھر قیام کیا۔15 جنوری کو مرکزی جامع مسجد خیر پور میرس میں ڈاکٹر محمد آصف صاحب نے جمعہ کا بیان کیا، جمعہ کے بعد خطیب صاحب کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا اور سوال و جواب کی نشست ہوئی تقریباً سوا تین بجے مسجد البدر روانہ ہو گئے جہاں پر جمیعت علماء اسلام خیر پور تحصیل سطح کا اجلاس چل رہا تھا، بعد از اجلاس ڈاکٹر محمد آصف صاحب نے شرکاء اجلاس علماء کو فتنہ قادیانیت کے نقصانات و خطرات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیوں کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے عنوان پر تفصیلی گفتگو کی۔ بعد نماز مغرب مسجد عرفات اور بعد نماز عشاء لقمان پھاٹک جامع مسجد صدیقیہ میں عوامی اجتماعات ہوئے جن میں تفصیل کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضرورت و اہمیت پر بات ہوئی۔

16 جنوری بروز ہفتہ پہلا بیان جامع مسجد المومن خیر پور میں ظہر کی نماز کے بعد ہوا جبکہ دوسرا بیان جامع مسجد قباء میں ہوا۔ بعد ازاں جامعہ حمادیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ خیر پور کا ایک قدیم اور معروف دینی ادارہ ہے جو 1972ء میں قائم ہوا۔ دارالافتاء میں جامعہ کے ناظم اعلی جناب مفتی اصغر علی ارائیں سے تفصیل کے گفتگو ہوئی اور مفتی صاحب نے بہت اکرام کیا۔ خیر پور میرس کے ایک اور قدیم ادارے جامعہ حمادیہ پہنچے۔ یہ ادارہ اول الذکر سے بھی پہلے قائم ہوا۔ یہاں عصر کی نماز کے بعد تحفظ ختم نبوت اور ہماری ذمہ داری کے عنوان پر ڈاکٹر آصف صاحب کی گفتگو ہوئی۔ یہاں سے فراغت کے بعد معروف دینی ادارے جامعہ حیدریہ پہنچے۔ مغرب کے بعد جامعہ کے طلباء سے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کے متعلق تفصیلاً گفتگو ہوئی اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی چلا۔

17 جنوری کو خیر پور سے کراچی کیلئے روانہ ہوگئے اور رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کراچی سہراب گوٹھ پہنچے۔ 18 جنوری کا دن امیر سندھ مفتی عطاء الرحمٰن قریشی صاحب کے ادارے میں جامعہ عائشہ صدیقہ میٹروول 1 سائٹ ٹاؤن میں رہے۔ کارکنان سے مشاورت اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 18ء جنوری کی دوپہر جناب سید محمد کفیل بخاری نائب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان بھی ملتان سے کراچی پہنچے۔ امیر سندھ مفتی عطاء الرحمٰن قریشی صاحب نے ائرپورٹ پر اُن استقبال کیا اور وہ بھی جامعہ صدیقیہ تشریف لے آئے۔ 19 جنوری کو ڈاکٹر محمد آصف، بھائی محمد آصف ایڈووکیٹ اور راقم محمد فیضان مطالعاتی دورے پر جامعۃ الرشید پہنچے۔ مہمان خانے میں حضرت مولانا مفتی محمد صاحب سے تعلیمی نظام کے حوالے سے بہت مفید گفتگو ہوئی۔ مولانا افتخار صاحب نے دارالافتاء کا دورہ کرایا۔ ظہر کی نماز کے بعد مفتی طارق مسعود صاحب کے ساتھ فتنہ قادیانیت کے تعاقب اور دعوت اسلام کے عنوان پر تفصیلی گفتگو اور تبادلہ خیال ہوا۔ مولانا مفتی انور غازی صاحب کے ہمراہ جے ٹی آر میڈیا ہاؤس کے سٹوڈیو اور مختلف شعبہ جات کا دورہ کیا۔ اس دوران عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرگرمیوں اور ان سے بچنے کے حوالے سے ہر دو حضرات کے ساتھ تبادلہ خیال بھی ہوا۔ بعد نماز مغرب جامع مسجد عائشہ صدیقہ میٹروول میں ایک نشست منعقد ہوئی جہاں ڈاکٹر محمد آصف صاحب اور سید محمد کفیل بخاری صاحب نے بیان کیا۔

اگلے روز مجلس احرار اسلام کراچی کے رہنما قاری علی شیر قادری صاحب کے مدرسہ سیف الاسلام پہنچے جہاں دو دن قیام رہا۔ اسی دن ان کے مدرسہ میں ظہر کی نماز کے بعد ڈاکٹر آصف صاحب نے طلباء سے تربیتی گفتگو کی۔ جبکہ عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد فاروقیہ میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے عنوان پر بیان ہوا۔ مجلس احرار اسلام کراچی کے ناظم بھائی شفیع الرحمٰن بھی ہمارے ساتھ ساتھ رہے۔

20ء جنوری کی صبح رانا محمد قاسم کی دعوت پر بسم اللہ مسجد بھینس کالونی میں علماء سے ملاقات، تحفظ ختم نبوت اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کے عنوان پر گفتگو۔ علاقہ کے علماء کی کثیر تعداد شاہ جی سے ملاقات کے لیے موجود تھی۔ بعد العصر مفتی عطاء الرحمٰن قریشی صاحب کے ادارے مدرسہ فلاح دارین گلشن عمر حب چوکی، جامع مسجد الفلاح میں جناب سید محمد کفیل بخاری نے درس قرآن دیا۔ آپ نے شہید ناموس صحابہؓ مولانا ڈاکٹر محمد عادل رحمۃ اللہ علیہ کے ادارے جامعہ فاروقیہ فیز 2 میں نماز مغرب کی امامت کرائی۔ بعد نماز مغرب طلباء واساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر محمد عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، تعلیمی اور ملی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فرزند مفتی محمد عمیر عادل صاحب اور اساتذہ سے ملاقات، اظہار تعزیت، جامعہ کے نظم ونسق اور تعلیمی نصاب ونظام سے متعلق سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ حضرت شیخ سلیم اللہ خان اور ڈاکٹر محمد عادل شہید رحمھم اللہ کے مزارت پر حاضری ودعا کے بعد رخصت ہوئے۔ 21 جنوری کو صبح دس بجے مفتی محمد قاسم عباسی، مفتی محمد خالد عباسی اور مفتی محمد حذیفہ بنوری کی دعوت پر جامعہ عربیہ عباسیہ، جامع مسجد شہزادہ گورومندر میں سید محمد کفیل بخاری نے فضلیتِ علم، احترام استاد اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت پر طلباء سے خطاب کیا۔ اسی روز دوپہر کو جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا عبدالکریم عابد کے ہاں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن، مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا عطاء الرحمٰن اور دیگر قائدین جمعیت سے ملاقات ہوئی۔ 5 بجے سہ پہر مزار قائد کے سامنے

جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام اسرائیل نا منظور ملین مارچ تھا جس میں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کی دعوت پر سید محمد کفیل بخاری نے ولولہ انگیز خطاب کیا۔ نماز مغرب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے استاد مولانا اسعد مدنی کے ہاں اداء کرنے کے بعد جامعہ میں آ گئے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا محمد رضوان اور دیگر اساتذہ سے ملاقات کے بعد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہٗ کے نواسے حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن رحمانی کی خانقاہ حاضری ہوئی۔ جہاں خانوادۂ بنوری اور دیگر علماء موجود تھے۔ حضرت پیر عزیز الرحمٰن ہر دل عزیز اور زندہ دل شخصیت ہیں۔ شاہ جی کی کراچی آمد پر وہ اپنے خاندان کے حضرات کے علاوہ دیگر علماء کو بھی جمع کر لیتے ہیں۔

ناظم جامعہ حضرت مولانا سید سلمان یوسف بنوری، محترم احمد بنوری، مفتی محمد حذیفہ بنوری، مولانا محمد حارث بنوری، مولانا یحییٰ لدھیانوی (بن مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ) اور دیگر علماء واحباب سے طویل نشست میں دینی وعلمی، تاریخی وادبی اور سیاسی مسائل پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ بعدازاں حضرت پیر عزیز الرحمٰن رحمانی نے بہت پرتکلف عشائیہ دیا۔ 22 جنوری کی صبح بھائی محمود کے ہاں ناشتہ، احباب وعلماء سے ملاقات کے بعد مفتی عطاء الرحمٰن قریشی صاحب کی جامع مسجد الفلاح میں سید محمد کفیل بخاری اور مولانا احتشام الحق کے ہاں مسجد داؤد میں ڈاکٹر محمد آصف نے اجتماعات جمعہ سے خطاب کیا۔ حضرت پیر عزیز الرحمٰن رحمانی مدظلہ نے کمال شفقت اور مہربان فرمائی۔ وہ اپنی گاڑی لے کر بھائی محمد ارشد کے ہاں ناظم آباد پہنچے۔ جناب سید محمد کفیل بخاری اور دیگر رفقاء کو لے کر نماز فجر کے وقت رحیم یار خان پہنچے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطاء فرمائے۔ مجموعی طور پر اکابر احرار کا دعوتی وتبلیغی دورۂ سندھ کامیاب رہا۔ قادیانیوں کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے بہت مفید مشورے ہوئے اور عملی اقدامات کے لیے علماء واحباب نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

تمام ماتحت مجالس احرار کو ہدایت کی جاتی ہے کہ حسب دستور سابق مجلس احرار اسلام کی بپا کردہ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت 1953ء کے دس ہزار شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے مارچ اور اپریل کے مہینوں میں علاقائی وضلعی سطح پر ''شہداء ختم نبوت کانفرنسز'' کا انعقاد کریں۔

سالانہ شہداءِ ختم نبوت کانفرنس

ایوان احرار
69/C نیو مسلم ٹاؤن
وحدت روڈ، لاہور

07 مارچ 2021ء بروز اتوار، بعد نماز مغرب

شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام پاکستان

مسافرانِ آخرت

☆محترم جناب محمد دین خلجی رحمہ اللہ: قیام پاکستان سے قبل دہلی میں مجلس احرار اسلام کے سالار تھے۔ کراچی میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت امیر شریعت اور آپ کے خاندان سے بہت محبت واخلاص کا تعلق تھا۔ انتقال: 23 ستمبر 2020ء

☆مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن عدنان ملک کی خوش دامن مرحومہ، انتقال 28 دسمبر 2020ء

☆مدرسہ معمورہ ملتان کے قدیم کارکن حافظ شفیق الرحمٰن کے ماموں مرحوم، انتقال: یکم جنوری 2021

☆حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی رحمہ اللہ: مجلس تحفظ ختم نبوت کے قدیم کارکن، مرکزی دفتر ملتان کے سابق ناظم، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ علیہ کے معتمد خاص، اور جامع مسجد غلہ منڈی کے خطیب۔ انتقال: 2 جنوری 2021ء

☆ہمارے مہربان میاں عبدالستار صاحب (ملتان) کی والدہ ماجدہ، انتقال: 3 جنوری 2021

☆جناب رؤف طاہر مرحوم؛ ممتاز صحافی کالم نگار، ہمارے بہت ہی مہربان اور سید ذوالکفل بخاری رحمہ اللہ کے مخلص دوست انتقال: 4 جنوری 2021

☆مجلس احرار اسلام ملتان کے نائب امیر سعید احمد انصاری کی اہلیہ مرحومہ 6 جنوری 2021ء کو انتقال کر گئیں، ان کی نماز جنازہ میں سید عطاء اللہ بخاری، سید عطاء المنان بخاری اور مولانا محمد اکمل سمیت مدرسہ معمورہ کے اساتذہ نے شرکت کی۔

☆ہمارے مہربان اور کرم فرما رانا محمد ہاشم کی خالہ مرحومہ، انتقال: 6 جنوری 2021ء

☆حضرت مولانا احمد رفیع رحمہ اللہ: حضرت مفتی محمد شفیع لدھیانوی رحمہ اللہ (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ابوسعد احمد خان نوراللہ مرقدہ، بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں) کے فرزند، انتقال: 12 جنوری 2021ء

☆حاجی احمد حسن رحمہ اللہ: مجلس احرار اسلام یونٹ ککروالا، محبت پور (میلسی) کے قدیم کارکن، انتقال: 15 جنوری 2021ء

☆حاجی محمد اصغر کمبوہ مرحوم: مجلس احرار اسلام رحیم یار خان کے ضلعی امیر جناب حافظ محمد اشرف کے بھائی، سٹی نائب صدر حافظ محمد زبیر کے والد۔ انتقال: 15 جنوری 2021ء

☆جناب حاجی محمد انور رحمہ اللہ: مجلس احرار لاہور کے سیکرٹری اطلاعات ڈاکٹر ضیاء الحق قمر کے والد ماجد، انتقال: 16 جنوری

☆مجلس احرار اسلام کے کارکن بھائی محمد عاطف کے عزیز، بھائی محمد عمیر کے برادر نسبتی عادل عباس 16 جنوری کو انتقال کر گئے۔ مرحوم ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے مستقل قاری اور مدرسہ معمورہ ملتان کے معاون تھے۔

☆ہمارے کرم فرما شیخ عمران کپور (سیالکوٹ) کے والد شیخ خالد مختار کپور انتقال: 18 جنوری 2021ء

☆جامعہ سراج العلوم کبیر والا ضلع خانیوال کے شیخ الحدیث مولانا امداداللہ رحمہ اللہ، انتقال 19 جنوری 2021ء

☆حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ: جامعہ قاسمیہ شرف الاسلام چوک سرور کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی 19 جنوی 2021ء کو انتقال کر گئے۔ آپ جمعیت علماء اسلام ضلع مظفر گڑھ کے سرپرست اور سیکڑوں علماء کے استاذ تھے۔ تمام عمر خدمت دین میں مشغول رہے اور قرآن وحدیث کی تعلیم وتبلیغ میں مثالی خدمات انجام دیں۔

☆مجلس احرار اسلام راولپنڈی کے قدیم کارکن محترم خالد کھوکھر کی ہمشیر مرحومہ انتقال: 19 جنوری 2021ء

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے پڑوسی حافظ محمد فاروق کے والد، انتقال: 20 جنوری 2021ء

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے استاد مولانا عبدالباسط کے خالو جمال الدین، انتقال: 21 جنوری 2021ء

☆ مجلس احرار چنیوٹ کے قدیم کارکن محمد صفدر چنیوٹی کی اہلیہ مرحومہ، انتقال: 22 جنوری 2021ء

☆ لاہور: محمد افضل محمد اجمل ذکی کے والد صاحب، انتقال: 23 جنوری

☆ لاہور: چوہدری امجد علی جٹ کے بھائی چوہدری یونس علی سندھو، انتقال: 25 جنوری

☆ مجلس احرار اسلام یونٹ 18 کسی ملتان کے امیر قاری محمد معاذ کھیڑا کا معصوم بھانجا، انتقال: 26 جنوری 2021ء

☆ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا محمد اسحاق سلیمیؒ کی اہلیہ: انتقال 29 جنوری، ان کی نماز جنازہ سید محمد کفیل بخاری نے پڑھائی۔

☆ اعجاز القمر چوہان مرحوم، بستی مولویان رحیم یار خان میں اکابر احرار کے مستقل میزبان حافظ محمد اسماعیل چوہان مرحوم کے فرزند، ضیاء القمر چوہان کے چھوٹے بھائی اور مولوی محمد طارق چوہان مرحوم کے چچازاد انتقال: جنوری 2021ء

☆ مولوی محمد بشیر چوہان مرحوم، بستی مولویان رحیم یار خان کی معزز شخصیت اور مجلس احرار اسلام رحیم یار خان کے سابق رہنما صوفی محمد اسحٰق مرحوم کے چچا۔ انتقال: جنوری 2021ء

☆ لاہور: جامعہ فتحیہ کے استاد محترم حافظ محمد سعید عاطف کے دو بھانجے، بھابھی ام طیب صاحبہ اور بہنوئی صوفی طارق معصوم یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں۔ آمین

تحریک تحفظ ختم نبوت ——● ڈاکٹر محمد عمر فاروق

(1931ء —— 1946ء) جلد اوّل

● قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں قادیانیت کے خلاف پہلی عوامی تحریک اور مجلس احرار اسلام کی تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کی مکمل تاریخ ● قادیان اور متحدہ ہندوستان میں قادیانیت کے تعاقب کی مستند سرگزشت ● قادیانیوں سے مجاہدینِ احرار و ختم نبوت کی معرکہ آرائیوں کے مفصل تذکرے ● حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خلاف قادیان میں تقریر پر مقدمہ کی مفصل روداد پہلی بار منظر عام پر ● تحریک تحفظ ختم نبوت کے اثرات و نتائج کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ● ایک ایسی کتاب جس کے مطالعہ کے بغیر تحریک تحفظ ختم نبوت سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

صفحات: 572 قیمت-/1000 روپے

ملنے کا پتا: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم ملتان 0300-8020384

تعمیر جدید دارالقرآن

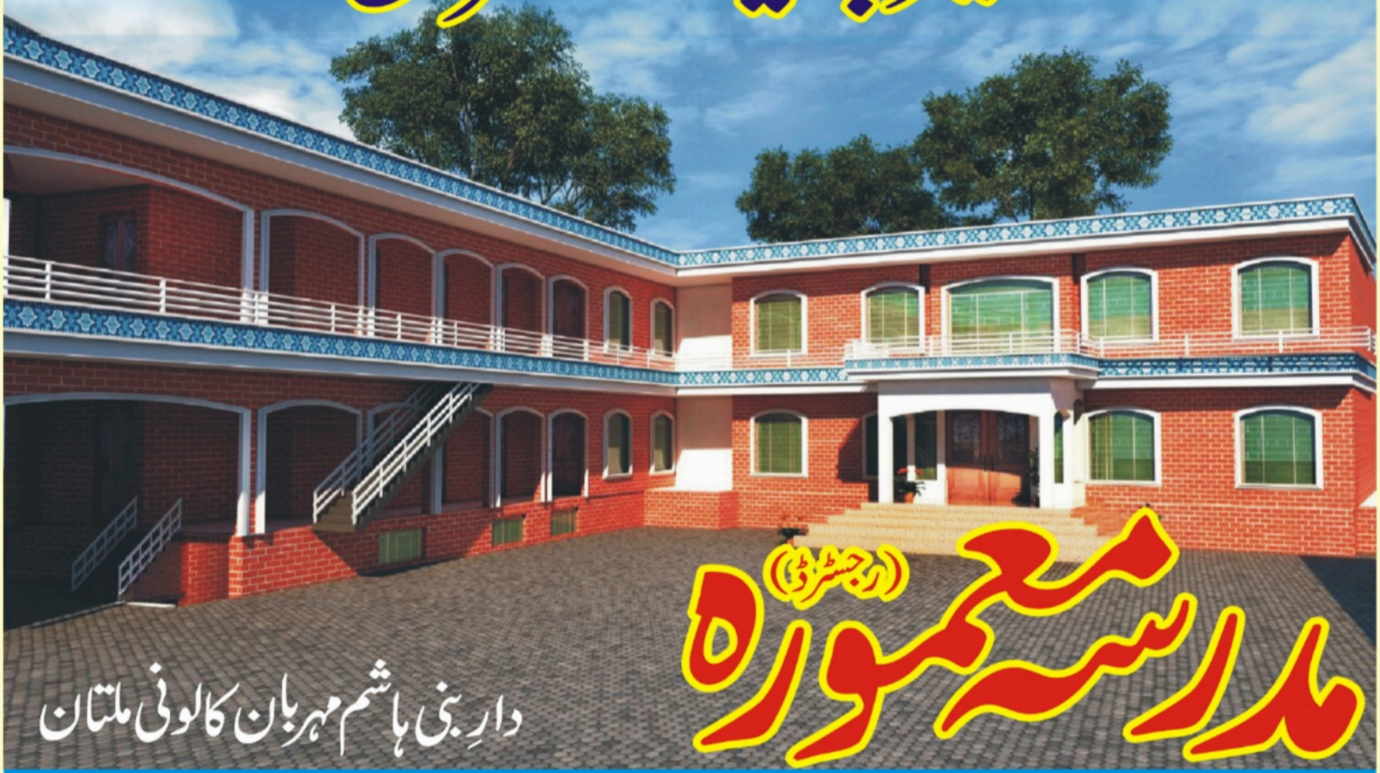

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دارالقرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دارالحدیث، دارالاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

رابطہ برائے ترسیل زرتعاون: سید محمد کفیل بخاری (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010
Branch Code : 0729
THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲)...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپ کے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY
کیئر فارمیسی
Trusted Medicine Super Stores
24 گھنٹے سروس
اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز
Head Office: Canal View, Lahore
الحمدللہ!
فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد اب 11 شہروں جڑانوالہ، ننکانہ صاحب، شاہکوٹ، کھرڑیانوالہ، سانگلہ ہل، چک جھمرہ، چنیوٹ، جھنگ، گوجرہ، سمندری، تاندلیانوالہ
آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس